میں کیا ہوں؟

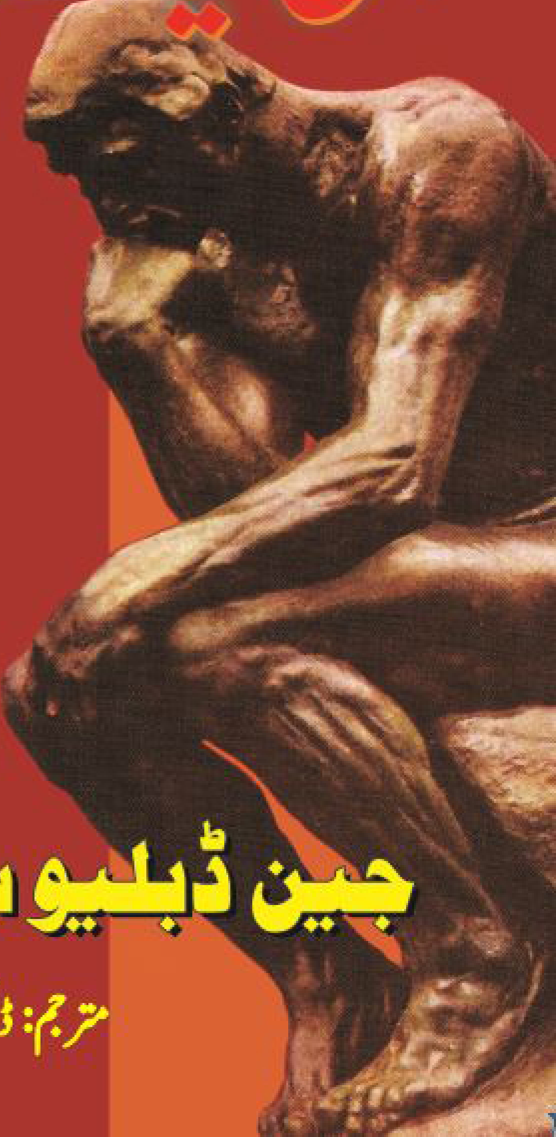

جین ڈبلیو سپیر

مترجم: ڈاکٹر ایلیاہ مسیح

مَیں کیا ہوں؟

مصنف: جین ڈبلیو سپئیر
مترجم: ڈاکٹر ایلیاہ میسی

UCRT
URDU CENTER FOR REFORMED THEOLOGY
اُردو سنٹر فار ریفارمڈ تھیولوجی

جملہ حقوق بحق ناشرین محفوظ ہیں

کتاب:	مَیں کیا ہوں؟
مصنف:	جین ڈبلیو سپئیر (Gene W. Spear)
مترجم:	ڈاکٹر ایلیاہ میسؔی
سرورق:	لوری ہیمفل (Lori Hemphill)
اشاعت:	اوّل
سن اشاعت:	2020
ناشرین:	اُردُو سنٹر فار ریفارمڈ تھیولوجی
	www.ucrt.org

ناشرین سے پیشگی اجازت کے بغیر اس کتاب کا کوئی حصہ نشر کرنا، فوٹو کاپی یا کتاب کی صورت میں شائع کرنا ممنوع ہے۔

اُردُو سنٹر فار ریفارمڈ تھیولوجی

URDU CENTER FOR REFORMED THEOLOGY

فہرست مضامین

تعارف...4

پہلا باب: میں کیا ہوں؟.. 7

دوسرا باب: ہم کس مقصد کے لیے جی رہے ہیں؟.......................14

تیسرا باب: کیا ہم آزاد ہیں؟.....................................21

چوتھا باب: ہم کیا جانتے ہیں؟................................... 28

پانچواں باب: کیا ہم خدائے خالق کے بغیر جی سکتے ہیں؟................ 35

چھٹا باب: اخلاقیات کیوں ہیں؟....................................40

ساتواں باب: کیا ہم حقیقی محبت کو جانتے ہیں؟......................... 48

آٹھواں باب: کیا ہم زندگی کی اُمید رکھتے ہیں؟......................... 54

نواں باب: مسیح کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟.......................... 61

دسواں باب: خلاصہ اور نتیجہ.. 70

کتابیات: 84

تعارف

ایک دن جب برفباری ہو رہی تھی تو مَیں جنگل میں چہل قدمی کے لیے گیا۔ درختوں کے اُوپر برفباری کی جھلک نے اس مقام کو اور طلسماتی بنا دیا۔ اس لیے میں اس منظر کو دیکھ کر آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ مَیں نے ایک لومڑی کے پاؤں کے نشان دیکھے اور اُن کی تقلید کرنا شروع کر دی۔ یہ نشان گھنے درختوں میں گہرے ہوتے گئے۔ اتنے میں برفباری اور شدید ہو گئی اور اب نشان مجھے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ مَیں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور گھوما مگر کوئی نقش پا نہ تھا۔ آخر کار میں نے محسوس کیا کہ مَیں نے رستہ کھو دیا ہے اور اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ برفباری مزید شدید ہوتی جا رہی تھی اور مَیں مکمل طور پر راستہ تلاش کرنے میں ناکام ہو گیا تھا جبکہ میرے پاس سمت کا اندازہ لگانے کے لیے قطب نما بھی نہ تھا۔ ایسی حالت میں اگر مَیں مزید غلط سمت میں چلتا جاتا تو اور گھنے جنگل میں پہنچ کر واپسی کی اُمید کھو بیٹھتا۔ مَیں نے کبھی اِس طرف اور پھر کبھی دوسری جانے کی کوشش کی لیکن مکمل طور پر رستے سے بھٹک چکا تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ کونسی سمت شمال یا جنوب اور مشرق اور مغرب ہے۔ اس لیے مَیں نے ایک سمت میں چلنے کا فیصلہ کیا کہ کہیں یہ رستہ وہ نہ ہو جو جنگل سے باہر سڑک کی جانب جاتا ہے۔ اور شاید اس رستہ پر مَیں کسی اور شخص کو بھی مل سکتا ہوں۔ مَیں اسی سمت کافی پیدل چلا اور اچانک محسوس کیا کہ کچھ ایسی اشیا تھیں جن کو مَیں پہلے دیکھ چکا تھا اور حتیٰ کہ مَیں نے برف پر کچھ قدموں کے نشان بھی دیکھے۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ مَیں اصل میں جنگل میں ایک ہی دائرے کی شکل میں چل رہا تھا۔

مَیں نے سوچا کہ مجھے کچھ دیر بیٹھ کر سوچنا چاہیے اس لیے مَیں ایک لکڑی کے ٹکرے پر بیٹھ کے سوچنے لگا۔ مَیں نے ایک گرے ہوئے درخت کے اُوپر سے برف ہٹا کر اُسے صاف کیا۔ اور پھر اس پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اچانک ایک چھوٹے قد کا عمر رسیدہ شخص دیکھا جس کی لمبی سفید داڑھی بھی تھی۔ مَیں اُسے دیکھ کر خوش ہوا اور مَیں نے سوچا کہ اب مَیں اس شخص کی

مدد سے اپنی درست سمت کو جان سکتا ہوں۔مَیں نے اس شخص سے کہا سر! مجھے آپ کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے۔مَیں واپسی کی سمت کھو چکا ہوں اور معلوم نہیں کہ کس سمت کو جاؤں۔کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ شمال یا جنوب کس سمت ہے؟ وہ شخص رُکا اور میری طرف نظر غائر سے دیکھ کر کہنے لگا سر کیا آپ کو نہیں معلوم کہ یہاں پر کوئی مشرق یا مغرب اور شمال یا جنوب نہیں ہے۔مَیں نے اُس سے کہا اچھا یہ بات ہے تو آپ کس طرح معلوم کرتے ہیں کہ آپ کو کس سمت کو جانا ہے؟ اُس نے جواب میں کہا یہ تو بہت ہی آسان بات ہے۔اگر مَیں شمال کی جانب جانا چاہتا ہوں تو مَیں ایک سمت میں چل پڑتا ہوں اور وہ میرے لیے شمال ہے۔اور اگر میں جنوب کی طرف جانا چاہتا ہوں تو ایک دوسری سمت میں چل پڑتا ہوں اور وہ میرے لیے جنوب ہوتا ہے۔مَیں جس سمت پر چلنے کا ارادہ کرتا ہوں وہ میرے لیے شمال یا جنوب اور مشرق یا مغرب ہوتی ہے۔لیکن مَیں نے اُس شخص سے کہا جناب ایک حقیقی شمال اور جنوب اور مشرق اور مغرب ہے۔اور یہ سمتیں ہمیشہ سے موجود تھیں اور رہیں گی۔اس بزرگ آدمی نے میری طرف غور سے دیکھا اور کہا تم حقیقت میں کند ذہن ہو۔ اور وہ یہ کہہ کر مجھے اور الجھن میں چھوڑ کر چلا گیا میری زندگی کا یہ واقعہ تمثیلی اور حقیقی طور پر عصر حاضر کے انسان کے مسائل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔کچھ لوگ اپنا رستہ کھو بیٹھے ہیں اور واپسی کی راہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔اور کئی لوگ حقیقی رستہ کو چھوڑ کر خود اپنے لیے ایک مطلق رستہ بنا رہے ہیں۔ایسے لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔اور شاید ایسے لوگ بھی آپ کو ملیں گے جن کے پاس جانے کے لیے کوئی رستہ ہی نہیں ہوتا۔ہم ایک الجھے ہوئے عہد میں رہ رہے ہیں۔شاید ہمارے پاس سائنسی حقائق کا پہلے سے کہیں زیادہ علم ہے لیکن ہم باہمی ہم آہنگی، مطلق اصول اور منزل کے تعین سے قاصر لوگ ہیں۔اگر ہم اُڑتے ہوئے پرندوں کا کوئی غول دیکھیں تو اس بات پر حیران ہوں گے کہ وہ ایک ہی سمت میں اکٹھے کیوں اُڑتے ہیں۔اور اچانک سب کے سب ایک ہی سمت میں مڑ جاتے یا پھر سب اکٹھے اُوپر یا نیچے پرواز کرتے ہیں۔اگرچہ بعض اوقات لوگ بھی اکٹھے چلتے ہیں لیکن اُن میں سے زیادہ تر اپنا اپنا رستہ اختیار کرتے ہیں۔ایسے لوگ اپنے آپ کو الجھے ہوئے اور بھٹکے ہوئے تصور نہیں کرتے۔اور وہ کہتے ہیں کہ کوئی ایک حتمی راہ نہیں بلکہ ہم جس رستہ پر چلتے ہیں وہی درست راہ ہے۔ہر شخص اپنا خود راہبر اور سردار ہے۔ایسے لوگ

کسی بھی مطلق اختیار کو نہیں مانتے۔ اسی وجہ سے بہت ساری الجھنیں اور تصادم موجود ہیں۔

ہم ایک غیر معمولی اور کامیاب سائنسی دور میں رہ رہے ہیں لیکن یہ عہد اپنے متعلق اور اپنی منزل کے بارے میں بڑی غیر یقینی کا دور بھی ہے۔ ہم شاید ڈیلاس (امریکہ کی ایک ریاست ٹیکساس کا تیسرا بڑا شہر ہے) کی طرف جا رہے ہیں لیکن ہمیں معلوم نہیں وہاں کیوں جا رہے ہیں؟ اس لیے ہم اس سوال پر ختم کرتے ہیں کہ "مَیں کون ہوں؟" اور مَیں کیوں ہوں؟ اور مَیں کدھر جا رہا ہوں؟ ہم اخلاقیات کے بارے میں غیر یقینی کا شکار ہیں۔ زندگی گزارنے کا صحیح رستہ کیا ہے؟ شاید کوئی کہے کہ یہ درست ہے اور وہ غلط ہے لیکن کوئی دوسرا اس کے مخالف سوچتا ہے؟ شاید کچھ لوگ ایسا بھی کہیں کہ کوئی درست اور کوئی غلط نہیں ہے اس لیے بہت سارے لوگ اس طرح تصور کرتے ہیں کہ جو کچھ میرے لیے درست ہے وہی درست ہے اور جو کچھ میرے لیے غلط ہے وہی غلط ہے۔ اس طرح ہمارا دور سچائی کے بارے میں غیر یقینی کا شکار ہے۔ بہت سارے کہتے ہیں "اس دُنیا میں کوئی مطلق سچائی نہیں"۔ ایک سروے کے مطابق چھیاسٹھ فیصد امریکی لوگ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ اس دُنیا میں کوئی مطلق سچائی نہیں ہے۔ اس بات پر وہ بہت یقین رکھتے ہیں لیکن اس کے اندر بھی مطلق سچائی ہے۔ ہر شخص اپنے لیے خود مطلق اصول تیار کرتا ہے جو کہ اپنے آپ میں مطلق نہیں ہیں۔

اس سارے مسئلے کا حل کیا ہے؟ ہم گھر واپسی کا رستہ کیسے تلاش کریں؟ یسعیاہ نبی ہمیں بڑی اُمید بخشتا ہے: "جو لوگ تاریکی میں چلتے تھے انہوں نے بڑی روشنی دیکھی۔ جو لوگ موت کے سایہ کے ملک میں رہتے تھے اُن پر نور چمکا۔" (یسعیاہ 9 باب 2 آیت)۔ یسعیاہ دنیا کے آنے والے منجی کے متعلق اعلان کر رہا ہے۔ جیسے ہم اس چھوٹی سی کتاب کا مطالعہ کریں گے شاید خدا کا نور آپ کے دلوں میں چمک اُٹھے اور یہ نور آپ کو محبت، سچائی اور زندگی کی اُمید بخشے۔

جین ڈبلیو۔ سپیر (Gene W. Spear)

پہلا باب

مَیں کیا ہوں؟

بعض کہتے ہیں کہ جولوگ خدااور مذہب کے بغیر ہیں وہ مضبوط لوگ ہیں۔ایسے لوگوں کا خیال ہے کہ ہم خدا کے متعلق سوچ کر اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔ہمیں مذہب اور نفسیاتی لاٹھی کی ضرورت نہیں ہے۔ جینے سے مراد خود مختار اور خود کفیل ہونا ہے۔ یہ ساری باتیں اگر حیرت انگیز ہوں بھی تو انسان اپنے متکبر نظریات سے اپنے پیچیدہ مسائل حل نہیں کرسکتا اور نہ ہی اپنے بارے میں کچھ اہم سوالات کے جواب دے سکتا ہے۔ اِن میں سے ایک سوال یہ ہے کہ مَیں کیا ہوں؟ کیا مَیں واقعی جانتا ہوں کہ مَیں کون ہیں؟

نظریہ ارتقا کے حامیوں کا جواب اس طرح ہوگا کہ انسان ارتقا کے ایک طویل عمل کا نتیجہ ہے۔نسلی بقا کے اصول کے اخراج کے نتیجہ میں ایک بڑا دماغ رکھنے والا جانور وجود میں آیا جو دو پاؤں پر چلتا، سوچ سکتا، یادداشت کی قوت رکھتا اور جس کا دماغ کئی اور اشیا کو ڈیزائن کرسکتا ہے جو کہ پہلے زمین پر نہ تھیں۔

تاہم انسان حیرت انگیز طور پر زمین کے متعلق علم، خلا کی کھوج، دوسری دنیاؤں کے بارے میں تیز مراسلاتی لیاقت رکھتا ہے۔وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی ایجادی نشوونما کی وجہ سے وہ ہر ایک چیز سرانجام دے سکتا ہے۔نظریہ ارتقا کے حامیوں کا خیال ہے کہ ہم ارتقائی عمل کا مینار ہیں۔ اور ہم مسلسل ارتفاع (بلندی) کی جانب رواں دواں ہیں۔ ارتقائی نظریے کی یہ وضاحت اگرچہ حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے مگر اس نظریے کے مطابق ہم حیوانِ ناطق ہیں اور حیوانوں کی طرح مر کر گل سڑ جائیں گے۔

مسائل

اگر ہم یہ تصور کر بھی لیں کہ بغیر مذہب کے انسان تخلیقی قابلیت رکھنے والا، غیر معمولی طاقتور اور جو کچھ بھی خیال کرتا ہے کر دکھاتا ہے۔ لیکن ہم اس بات کا اقرار بھی کرتے ہیں کہ لوگ اپنی زندگیاں خود ہی تباہ کن بنا لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ نظریہ ارتقا کے مضبوط حامی برٹ رینڈ رسل (Bertrand Russell) کی نظر میں انسان کا مستقبل عظیم والشان نہیں ہے۔ اُس نے دُکھ بھرے انداز میں لکھا: ''انسان ایسی وجہ اور ترغیب کی پیداوار ہے جس کے انجام کے بارے میں لاعلم ہے کہ وہ کس جانب وہ بڑھ رہا ہے یعنی اپنی اصل، نشوونما، اور اُمیدوں، خوف، اور محبت اور یقین ہے۔ لیکن حادثاتی ٹکراؤ کے نتیجہ کی وجہ سے اس کے احساسات کی شدت اور شجاعانہ سوچ انسان کو قبر سے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ انسان کی عمر بھر کی محنت، ریاضت، وجدان اور عروج تابانی فنا کے لیے مقرر ہے۔ اور انسان کی کامرانی کا مندر چار و ناچار کائنات کے ملبہ کے نیچے بربادی میں دفن ہو جائے گا۔ ان تمام باتوں کے بارے میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور کوئی فلسفہ جو اس سچائی کو رد کرتا ہے کیا خود قائم رہ سکتا ہے'' (Monsma, 86)۔

کیا ہم خدا سے جدا ایسے ہی عظیم ہیں جیسا کہ ہم اپنے آپ کو تصور کرتے ہیں؟ اس دنیا میں ایسے بہت سے مسائل ہیں جن کو ہم خود حل نہیں کر سکتے۔ ''سائنس اور صنعت و حرفت کی باہمی شراکت نے ایک بالکل نئی دنیا پیدا کی ہے۔ سائنس اور صنعت و حرفت معاشرے میں انقلاب پیدا کر کے دنیا کو ایک بنا رہے ہیں۔ عمومی طور پر انہوں نے انسان کو وہ طاقت دی ہے جو پہلے نہیں دیکھی گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے انسان کی آزادی چھین لی ہے۔ اور انسان کی شخصیت اور شراکتی تنوع کو برباد کر دیا ہے۔ یوں انسان کو ایسی حقیقت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کہ اپنی ساری طاقت اور حفاظت کے باوجود وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ اور بے یار و مددگار سمجھتا ہے۔

(*Christian Perspective*, 4)۔

یوں خدا کے بغیر ہم کوئی کارنامہ سر انجام نہیں دے رہے۔ کئی اعلیٰ اور ذہین دماغ مایوسی کے ساتھ نابود ہو گئے ہیں۔ برٹ رینڈ رسل اپنی ساری لیاقت اور کامرانی کے باوجود کہتا ہے کہ

انسان حقیقت میں کوئی اُمید نہیں رکھتا۔ بڑے بڑے لوگوں نے غیر محفوظ ہونے اور خوف کا اظہار کیا ہے۔اپنے تکبر میں لوگ کہتے ہیں ''مجھے خدا نہیں چاہیے''۔لیکن اپنی مایوسی میں وہ کہتے ہیں ''زندگی غیر اہم اور بے کار ہے''۔ میں البرٹ شٹائن سے اتفاق کرتا ہوں جس نے یوں کہا: ''ایسا انسان جو اپنی زندگی اور کسی دوسرے کی زندگی کو بے معنی کہتا ہے وہ بدقسمت ہی نہیں بلکہ زندگی کی اہلیت ہی نہیں رکھتا'' (Monsma, 235)۔تب تک ہم زندگی کا مفہوم نہیں جان سکتے جب تک ہم یہ نہیں جانتے کہ انسان کیا ہے؟ انسان کی بنیاد، مقصد اور اختتام کیا ہے؟ جب ہم ان باتوں کو جان جاتے ہیں تب ہی ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ہم کون اور کیا ہیں اور کس سمت جا رہے ہیں۔

سوال کا وقت

جونہی ہم ایسی باتوں کے متعلق سوچ بچار کرتے ہیں ہیں تو یہی موقع ہے کہ ہم اُس نظریہ کے بارے میں سوال کریں جو حادثے (یعنی ارتقا) کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔یہی موقع ہے کہ ہم دریافت کریں کہ کبھی کوئی حادثہ کسی چیز کی وجہ وجود ہوتا ہے؟ کیا کوئی ایسی چیز ہے جو خود بخود پیدا ہو جائے؟ یا پھر کیا کوئی خالق ہے جس نے ایک نقشہ اور نمونہ بنایا اور پھر سب کچھ تخلیق کیا؟مشہورِ زمانہ پروفیسر ایڈون کونکلن (Edwin Konklin) جو کہ پرنسٹن یونیورسٹی میں ماہر حیاتیات تھا اُس نے کہا: ''حادثہ سے زندگی کے وجود کا امکان ایسے ہی ہے جیسے اشاعت خانہ میں ایک دھماکہ کا نتیجہ کوئی لغات ہو'' (Monsma, 174)۔ ڈاکٹر اولن کارکالٹس (Dr. Olin Karkalits) جس کا تعلق یونیورسٹی آف میشگن سے تھا وہ کہتا ہے کہ ارتقائی طبعیات کی بنیاد پر انسان موجودہ دنیا کی تشریح نہیں کرسکتا: ''نفسیاتی و کیمیائی اصول بڑے دائروں کی وضاحت کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں یعنی ہمارے اجسام اور دماغ کیسے کام کرتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کیوں کام کرتے ہیں؟ اور انسان جانور سے بہت سارے عوامل میں مختلف کیوں ہے؟ انسان اکیلا ہی کیوں خدا کا شعور رکھتا ہے؟''

انسان سے متعلقہ تمام تحقیقات میں ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کبھی کسی حیوان نے

عبادت کے لیے کوئی قربان گاہ کیوں نہ بنائی؟ کیا دماغ دل کا مترادف ہے۔؟ ہم یادداشت، گمان اور منطق کی کیا وضاحت کریں گے؟طبعیات اس کی کوئی موزوں وضاحت نہیں کرسکتی (Monsma, 172)۔کیا ہم حقیقی طور پر جانتے ہیں کہ ہم کون اور کیا ہیں؟

اپنے بارے میں ان تمام پیچیدہ سوالات اور معموں کا حل کلام مقدس میں ہے۔ کلام مقدس ہمیں بتاتا ہے کہ خدائے خالق ایک دانشمند اور مہیب ذات ہے جس نے اس دنیا کو خلق کیا، اُس کی دستگیری و پروردگاری کرتا اور اس پر حاکم ہے۔اس لیے ہم کسی حادثے کا نتیجہ نہیں ہیں۔ہمیں خدا نے عجیب طور سے بنایا۔خدا نے ہمیں ایک اعلیٰ مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔اس لیے خدا کے بغیر ہم کچھ نہیں جان سکتے اور نہ ہی اپنی تخلیق کا مقصد پورا کرسکتے ہیں۔کیا واقعی ہم اِن باتوں کے بارے میں جان سکتے ہیں؟ کلام مقدس بیان کرتا ہے کہ ہم خدا کی شبیہ اور صورت پر پیدا کیے گئے: پیدائش 1 باب 26 تا 27 آیات۔

’’پھر خدا نے کہا آؤ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں اور وہ سمندر کی مچھلیوں اور آسمان کے پرندوں اور چوپایوں اور تمام زمین اور سب جانداروں پر جو زمین پر رینگتے ہیں اختیار رکھیں۔ اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔خدا کی صورت پر اُس کو پیدا کیا۔نر و ناری اُنکو پیدا کیا۔‘‘

کلام مقدس ہمیں سکھاتا ہے چونکہ خدا روح ہے اور اُس کا کوئی جسم نہیں ہے اُس نے ہمیں اپنی جسمانی صورت پر پیدا نہیں کیا۔سب سے پہلا انسان مقدس، راستباز اور سچا اور وفادار خلق کیا گیا جیسا کہ خدا خود بھی ہے۔ہمیں ایک روح بخشا گیا جو کہ خدا کی صورت پر ہے۔انسان اس دنیا پر حاکمیت کے لیے بھی پیدا کیا گیا جیسا کہ خدا خود پوری کائنات کا حاکم ہے۔اس طرح ہم خدا کی دیگر مخلوقات سے مختلف اور ان پر فوقیت رکھتے ہیں۔جیسا کہ آپ اپنی صورت (تصویر) کو فوقیت دیتے ہیں خدا بھی انسان میں اپنی صورت اور شبیہ کو افضل سمجھتا ہے۔وہ کبھی نہیں چاہتا کہ کوئی اُس کی صورت کو مسلے اور اس کی بے حرمتی کرے۔سب سے پہلا انسان (صیغہ جمع میں یعنی نسل انسانی) خدا کی نظر میں بہت اہمیت کا حامل تھا۔اور یہی بات انسان کی زندگی کو قدر اور عظمت بخشتی ہے۔اس لیے خدا نے واضح طور پر کہہ دیا کہ جو شخص کسی کا خون کرتا ہے وہ بھی مارا جائے۔اور جو

کوئی کسی دوسرے سے نفرت کرتا اور اُسے حقیر جانتا ہے وہ خدا کی عدالت کا مستحق ہے۔ جبکہ خدا ارفع و اعلیٰ ہے اور انسان سے محبت کرتا ہے اس لیے ہمیں بھی اُس کی محبت کا اظہار دوسروں پر مہربان ہوکر کرنا چاہیے۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ ہم اپنی اصل حالت میں خدا کی نظر میں بہت گراں قدر تھے اس لیے خدا نے ہمیں ایک عظیم رتبہ اور ذمہ داری سونپی ہے اور ہمارے مستقبل کا تعین کیا ہے۔ اس بنا پر ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ خدا نے ہمیں کمزور اور بدبخت نہیں بنایا بلکہ ہمیں حقیقی عظمت اور قدر و منزلت بخشی۔ ہم محض حیوانِ ناطق نہیں ہیں۔ خدا نے ہمیں اپنی صورت پر کئی ایک طرح سے ایک خاص شخصیت بخشی۔ خدا نے ہم سے محبت رکھی، ہماری محافظت کی اور ہمیں اختیار و حکم دیا تا کہ ہم بہت اہم کام سرانجام دیں جو کسی حیوان کے لیے ممکن نہیں۔

لیکن اگر انسان اتنا ہی اہم اور عظیم ہے تو پھر انسانی معاشرے میں مسائل کیوں ہیں؟

یہ ایک بہت اچھا نقطہ ہے۔ ہم اصل میں بہت بڑے مسئلے کا شکار ہیں۔ کلام مقدس یہ بتاتا ہے کہ ہم مصیبت میں اس لیے مبتلا ہیں کیونکہ ہم نے خدا کو رد کیا ہے۔ ہم متکبر ہوکر کہنے لگے: ”ہمیں خدا کی ضرورت نہیں۔ مَیں تو اپنا خدا خود ہوں۔ مجھے خدا کے بتائے ہوئے حق و باطل کے اصول پر عمل کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ مجھے خدا کے مقررہ مقصد کو بھی پورا کرنے کی ضرورت نہیں۔ مَیں اپنی زندگی کا رستہ اور روش خود اختیار کروں گا۔ میرے لیے کیا اچھا ہے اس کا فیصلہ مَیں خود کروں گا“۔

اس عمل میں ہم بہت بڑی غلطی کرتے ہیں یعنی ہم اپنے آپ کو زخمی کر لیتے ہیں۔ ہم ایسی موٹر کار کی مانند بن جاتے ہیں جو سڑک سے اُتر جاتی ہے یا پھر ایسی ریل گاڑی کی طرح ہیں جو اپنی پٹڑی سے اُتر گئی ہو۔ ہم اپنے آپ کو بے حد نقصان پہنچاتے ہیں اور خدا کے قہر کے مرتکب بھی ہوتے ہیں۔ کلام مقدس میں خدا ہم سے کہتا ہے کہ اگر ہم تکبر اور سرکشی سے اپنی راہیں اختیار کریں گے تو وہ ہمیں بے سزا نہ چھوڑے گا۔ ہم ایک چھوٹے بچے کی طرح ہیں جو اپنے باپ سے کہتا ہے ڈیڈی میں آپ کے گھر میں رہوں گا، آپ کے مہیا کردہ بستر پر آرام سے سوؤں گا اور جو خوراک آپ میرے لئے خرید کر لاتے ہو مزے سے کھاؤں گا لیکن میں آپ کی بتائی ہوئی کسی بات پر عمل نہیں کروں گا۔ اس لیے ہم خدا کے ساتھ مشکل کا شکار ہیں۔ ہمارا لالچی اور متکبر دل خدا کے ساتھ راست تعلق میں ناکام ہو چکا ہے۔ ہم میں ہر طرح کے جھگڑے اور جنگیں پائی جاتی ہیں۔

کلام مقدس فرماتا ہے کہ ہم گنہگار ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم فطری طور پر یا عادتاً خدا کی حکم عدولی کرتے اور اُس کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔

لیکن کلام مقدس ہمیں اس مایوسی میں نہیں چھوڑتا۔ وہ یہاں تک بتاتا ہے کہ خدا نے ہم سے اُس وقت محبت کی جب ہم گنہگار اور اُس کے دشمن ہی تھے۔ اُس نے اپنے بیٹے کو ہماری خلاصی کے لیے بھیج دیا۔ کلام مقدس یہ بھی بتاتا ہے کہ مسیح ابدی خدا کا بیٹا ہے۔ اُس کی معجزانہ پیدائش، اُس کے معجزات اور اُس کی حیرت انگیز تعلیم ظاہر کرتی ہے کہ وہ ابدی خدا کا بیٹا اور دنیا کا نجات دہندہ ہے۔ وہ ہمارے گناہوں کے کفارہ کے لیے اپنی جان دے دیتا ہے۔ وہ مر گیا اور دوبارہ جی اُٹھا تا کہ ہماری خدا سے صلح کرا دے۔ وہ خدا کی جانب ہماری بحالی کرتا اور ہمارے دلوں کو گناہ سے پاک کرتا ہے۔ جب ہم ان باتوں کے لیے مسیح کا یقین کرتے ہیں تو خدا ہمیں دوبارہ خدا کے فرزند بننے کا حق بخشتا ہے۔ ہمیں اپنے فضل کے طفیل ہمیں اس قابل بناتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کا خدا مرکوز مقصد پورا کر سکیں۔ ایک بار پھر ہم وہ پہلی عظمت، انکساری اور قوت پاتے ہیں۔ ہم صرف مسیح کے ذریعے ہی حقیقی محبت کو جان سکتے ہیں کیونکہ خدا نے مسیح کے ذریعے ہی ہم سے محبت رکھی۔ اس لیے مسیح کے وسیلہ ہی ہم خدا کی صورت میں مسلسل بحال ہوتے جاتے ہیں۔ ہمیں مایوسی کی حالت میں چھوڑ نہیں دیا گیا بلکہ خدا ہم سے وعدہ کرتا ہے کہ ہم ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اس لیے اپنے آپ کو جاننے، اپنی عظمت و اقدار کو پہچاننے، اپنی زندگی کے اصل مقصد کو پورا کرنے اور ابدی اُمید اور مسرت کا واحد رستہ یہ ہے کہ ہم مسیح یسوع کے فضل اور کفارہ کے ذریعے خدا کی طرف رجوع کریں۔

نظرِ ثانی اور مباحثہ کے لیے سوالات

۱) کیا انسان خدا کے بغیر حقیقی قوی اور خود کفیل ہے؟
۲) برٹ رینڈ رسل کے مطابق نسل انسانی کے لیے کیا کوئی مطلق اُمید ہے؟
۳) آئن شٹائن کی نظریہ ارتقا کے حامیوں کی زندگی کے بارے میں کیا رائے ہے؟

۴) ہمیں نظریہ ارتقا پر کیوں سوال اُٹھانا چاہیے؟

۵) انسان بنیادی طور کس طرح حیوانوں سے مختلف ہے؟

۶) ہمیں کائنات اور نسل انسانی کا مستند نظریہ تخلیق کہاں تلاش کرنا چاہیے؟

۷) جب کلام مقدس کہتا ہے کہ انسان خدا کی صورت وشبیہ پر پیدا کیا گیا اس سے کیا مراد ہے؟

۷) اپنی اصلی خلقی حالت میں انسان خدا کی نظر میں گراں قدر تھا لیکن انسان سے خدا کی ناخوشی کا موجب کیا ہوا؟

۹) ہمارے لالچ، تکبر، غیر ایمانداری، نفرت اور بغاوت کے باوجود کیا ہمارے لیے مستقبل کی کوئی اُمید ہے؟

۱۰) مسیح خداوند ایمانداروں سے کیا وعدہ کرتا ہے؟

دوسرا باب

ہم کس مقصد کے لیے زندہ ہیں؟

مختلف مواقع پر تعلیم دیتے ہوئے مَیں نے طالبعلموں سے پوچھا کہ اُن کی زندگی کا کیا مقصد ہے۔ طالبعلم عمومی طور پر اس سوال پر حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک طالبعلم نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ سوال احمقانہ سوال ہے۔ لیکن مَیں اس سوال کی وضاحت اس طرح کرتا ہوں کہ جب ہم ایک گھر بنا رہے ہوتے ہیں تو ہم جانتے ہیں کہ ہم کیوں یہ گھر تعمیر کر رہے ہیں۔ اور جب ہم ایک کار خرید رہے ہوتے ہیں تو بھی اس کا مقصد ہمارے ذہن میں ہوتا ہے۔ اس لیے یہ بھی مناسب ہوگا کہ ہم اپنے جینے کا مقصد بھی دریافت کریں۔ مختلف اشیا کے مقصد سے آشنائی بہت ضروری ہے۔ جب تک ہم کسی شے کے مقصد کو نہیں جانتے اُس وقت تک ہم اُس شے کے بارے میں مناسب آشنائی نہیں رکھتے۔ چلیں اس کی تھوڑی تفصیل سے وضاحت کرتے ہیں۔ فرض کریں آپ کو گلی میں پڑا ہوئی ایک دھات مل جاتی ہے۔ ہم اس کی پیمائش کر سکتے ہیں، اس کا وزن بھی جان سکتے ہیں اور اس کی تشکیل کا اندازہ بھی لگا سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اس دھات کے استعمال کا مقصد نہیں جاتے تو حقیقت میں ہم اس کے بارے میں بالکل نہیں جانتے۔ شاید یہ کار کا کوئی پرزہ ہو یا پھر کسی قسم کا آلہ اور شاید یہ کوئی ناکارہ دھات کا ٹکرا ہو۔ اگر ہم کسی شے کے مقصد کو نہیں جانتے تو پھر اس شے اور اس کے استعمال کے بارے میں درست آگاہی نہیں رکھتے۔ بالکل اسی طرح اگر ہم انسان کی زندگی کے مقصد کو نہیں جانتے تو ہم اصل میں انسان کو اور زندگی کو بالکل نہیں پہچانتے۔ اس لیے اپنے آپ کو جاننے کے لیے زندگی کے مقصد و مفہوم کو جاننا بہت اہم ہے۔

اکثر لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہر شخص ذاتی طور پر ہی اپنی زندگی کے مقصد کا فیصلہ کر سکتا ہے

۔تاہم خدااور اُسکے مکاشفہ کے بغیر زندگی کے مقصد کو جاننا ناممکن ہے۔ بیشتر لوگ یہ بات واضح طور پرنہیں جانتے کہ اگر ہم خلق کیے گئے ہیں تو ضرور ہے کہ ہمارے خالق نے ہمیں کسی مقصد کے تحت پیدا کیا ہوگا۔اور اگر ہمارا وجود خالق کے بغیر حادثاتی ہے تو پھر ہم کس لیے موجود ہیں۔ اور بہت سے لوگ زندگی کے مقصد کے بارے میں کشمکش کا شکار ہیں۔اور بہت سے لوگ زندگی کے مقصد کو حاصل کیے بغیر چل بستے ہیں۔ یہ ایک حقیقت کہ ہم خصوصی طور پر ایسے نوجوانوں میں جن کی گھریلو زندگی ٹھیک نہیں ان میں خودکشی کی شرح ہر جگہ بڑھ رہی ہے۔اور اگر ہم زندگی کے مقصد کو جاننے میں ناکام رہتے ہیں تو ہم شاید یہ بھی خیال کریں کہ زندہ رہنا بے معنی ہے۔مَیں نے جرمنی میں قیدیوں کے بارے میں پڑھا کہ اُن کو ہر روز جیل کے صحن میں پڑی ایک بڑی چٹان کو ایک کونے سے دوسرے کونے تک دھکیلنا ہوتا تھا۔ان کے لیے یہ بے معنی کام مایوس کن تھا اس لیے ان قیدیوں میں سے کچھ نے خودکشی کرلی۔

اسی طرح بہت سے لوگ ایک واضح مقصد اور اُمید کے بغیر زندگی گزارتے ہیں۔ دہریت کی سوچ غیر یقینی اور انحراف کے رجحان کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔موجودہ تکنیکی دور انسان کو ایک مشین یا مشین کا کوئی حصہ بنا رہا ہے۔اس لیے بہت سارے لوگ محض کھانے کے لیے کام کرتے اور جینے کے لیے کھاتے اور کھانے کے لیے جیتے ہیں۔

ایک جاپانی اخبار مینی چی ڈیلی نیوز میں لوگوں کے کام کرنے کے مقصد پر ایک سروے شائع کیا گیا۔اس سروے کے مطابق 54.5 فیصد جاپانی صرف پیسہ کی غرض سے کام کرتے ہیں جبکہ 10.9 فیصد لوگ معاشرے کی مدد کرنے کے لیے کام کرتے ہیں اور 34.5 فیصد اپنی خواہشات کی تکمیل کی غرض سے کام سرانجام دیتے ہیں۔اس سروے کا دیگر ممالک سے موازنہ دلچسپی کا باعث ہے۔مثال کے طور پر برطانوی لوگوں میں 80.3 فیصد لوگ پیسہ کی غرض سے کام کرتے ہیں جبکہ 4.2 فیصد لوگ معاشرے کے لیے کام کرتے ہیں اور 13.8 فیصد لوگ اپنی شخصی خواہشات کی تکمیل کے لیے کام کرتے ہیں۔اس سروے کے موازنہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جاپانی لوگ برطانوی اور دیگر ممالک کے لوگوں سے قدرے کم ''اقتصادی حیوان'' (Economic Animal) ہیں۔برازیل میں شاید چند ہی ایسے لوگ ہوں گے جو یہ کہیں کہ

وہ محض پیسے کے لیے کام کرتے ہیں۔ جب ہم لوگوں کی کام کرنے کی وجوہات پر غور کریں تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ وہ زیادہ تر اپنی ذات کے لیے ہی کام کرتے ہیں۔ عام آدمی پیسہ کمانے کے لیے کام کرتا ہے تاکہ وہ روٹی، کپڑا اور مکان کے ساتھ ساتھ اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکے۔ جو لوگ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے کام کرتے ہیں وہ لوگ بھی بنیادی طور پر اپنے لیے ہی جیتے ہیں۔ ہم میں سے بیشتر لوگ اپنی خودغرضی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ کبھی چھپ نہیں سکتی۔

خود بالذات / خود مرکزیت / خودغرضی

آپ خود بالذات زندگی کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو واقعی خودغرض ہو۔ اُس کے بارے میں سوچیں۔ کیا آپ ایسے شخص کو پسند کرتے ہیں یا پھر کہ آپ ایسے شخص سے دوستانہ تعلقات بھی نہیں رکھنا چاہتے۔ بہت سے لوگ اپنی خودغرضی کو پوشیدہ رکھتے ہوئے دوسروں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ مصروف کاروباری لوگ اکثر ایسے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ آپ کو یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ واقعی آپ کے بارے میں فکرمند ہیں۔ لیکن ہم سب یہ جانتے ہیں کہ خودغرضی کمیونٹی کے اتحاد اور ہم آہنگی کو تباہ کر دیتی ہے۔ اگر سب کے سب لوگ ہی خودغرض ہوں تو ہم سب کے لیے خوش رہنا ناممکن ہوگا۔ اور نہ ہی ہم ایک دوسرے کی معاونت کر سکتے ہیں۔ کیا ایسا نہیں کہ دُنیا کی بیشتر اور بڑے مسائل شہوت، لالچ، غرور اور خودغرضی کی وجہ سے ہیں۔ جب ہم ایسے لوگوں کے بارے میں سوچتے ہیں جو معاشرے کی تعمیر کے لیے کام کرتے ہیں تو ہم سوچتے ہیں کہ وہ خودغرض لوگوں سے بہتر ہیں۔ کیا یہ لوگ واقعی فیاض ہیں جو دوسروں کے لیے کام کرتے ہیں؟ شاید ان میں سے بہت سے لوگ بہتر معاشرہ پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ اُن کے بچوں اور پوتوں کے لئے زندگی گزارنے کے لیے ایک اچھا ماحول ہو۔ اور شاید وہ اپنے لیے بھی ایک پرسکون زندگی چاہتے ہیں۔ معاشرے کی فلاح کے لیے اُن کا کام اور خدمت قابل تعریف ہے لیکن کیا آپ اس کو واقعی ایثار اور بےنفسی کہہ سکتے ہیں۔ ایک فیاض شخص وہ ہے جو اپنے آپ کو بےلوث دوسروں کے لیے وقف کر دے۔

ہماری فیاضی اور بےنفسی کی وجہ تحریک کیا ہو سکتی ہے جو ہمیں اپنے اور اپنے مال و متاع کے

ساتھ حقیقی بے خود غرض، محبت کرنے والا اور فیاض بنادے۔آج دنیا میں بہت سے لوگ فاقہ کشی کا شکار نظر آتے ہیں۔ ہم اُن کے لیے کیا کر رہے ہیں۔اور بہت سے لوگ مصائب میں گھیرے ہوئے ہیں۔کیا ہم اُن کے حالات کا چارہ کر رہے ہیں۔ابتدائی انسانیت پرست لوگ دوسروں کے لیے کچھ اچھائی کرنے کا ارداہ رکھتے تھے لیکن آج کے انسان پرست لوگ آزادی اور آزاد ہونے کے زیادہ متفکر نظر آتے ہیں۔ابتدائی انسان پرستی کا نظریہ شاید قابل تعریف ہو لیکن آج ہم انسان پرستی میں بے خود غرضی کی وجہ تحریک کہاں تلاش کر سکتے ہیں جب اگلے مہینے کی آمدنی کے چیک کے استعمال کا فیصلہ ہم پہلے سے کر چکے ہیں۔ایسی حالت میں فاقہ کشی کا شکار لوگوں کی مدد کہاں سے ہوگی۔

ہمیں دینے کے لیے حاصل کرنے کی ضرورت ہے

ہم چاہے دولت کی بات کریں یا کسی اور شے کی ہمیں دینے کی غرض سے کچھ حاصل کرنا ضروری ہے۔اس سے پہلے ہم دوسروں سے محبت کریں اور اُن کی مدد کریں ہمیں محبت پانے کی ضرورت ہے۔سب سے بڑا مسئلہ یہ کہ ہم محبت کہاں سے پائیں۔ہم ایسی محبت کہاں سے تلاش کریں جو دوسرں سے بھی محبت کر سکے۔ بے شک ہم والدین ، دوستوں سے بہت حد تک محبت پاتے ہیں لیکن بنیادی طور پر محبت کہاں سے حاصل کی جاسکتی ہے؟ یہ حادثاتی طور پر نہیں پائی جا سکتی۔

کلام مقدس بتا تا ہے کہ محبت خدا کی طرف سے آتی ہے کیونکہ ''خدا محبت ہے''(1۔یوحنا4 باب8 آیت)۔مزید برآں! بائبل ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ خدا نے اپنی محبت اپنے ازلی بیٹے مسیح یسوع کی ذریعے ہم پر ظاہر کی جس کو اُس نے اس دُنیا میں بھیجا(1۔یوحنا4باب10 آیت)۔مسیح نے محبت کی زندگی گزاری اور بہتوں کی مدد کی جس کا شمار کرنا ممکن نہیں۔ مسیح نے محبت کا پیغام اس وضاحت کے ساتھ دیا کہ ہم اکثر اُس کی تعلیم کے آگے جھک جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے لیے یہ ناممکن کہ اپنے دشمنوں سے محبت کروں جس طرح مسیح نے کی۔لیکن مسیح کی حقیقی محبت اس بات سے آشکار ہوتی ہے کہ اُس نے ہمارے گناہوں کے لیے اپنی جان دے دی۔صلیب پر مسیح

کی موت ایک شان دار زندگی کا دلگیر اختیام نہ تھا؟ یہ مسیح کے مشن کا عروج اور درجہ کمال تھا کہ وہ ہمیں بچائے۔ یہ دوسروں سے محبت کی کامل مثال ہے۔ یہ ایسی قربانی تھی جو ہمیں خدا کی معافی اور محبت بخشتی ہے۔اور یہ معافی و محبت ہم اُس وقت پاتے ہیں جب ہم مسیح یسوع کو اپنا شخصی نجات دہندہ قبول کرتے ہیں۔اور یہ ایمان رکھتے ہیں کہ مسیح ہمارے لیے مر گیا۔ بہت سے لوگ جو آج مسیح کو قبول کرتے اور اُس کی عزت کرتے ہیں مسیح کی محبت کو حاصل کرتے ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے کہ ہمیں دینے کے لیے کچھ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ جیسے ہی ہم مسیح کی محبت کو پاتے ہیں ہم حقیقی فیاض ہو سکتے جس سے مراد یہ کہ ہم دوسروں سے بے غرض محبت کریں۔ جب ہم خدا کی محبت پالیں گے تو فطری طور پر ہم دوسروں سے محبت کرنا شروع کر دیں گے۔

خدا اور اپنے ہمسایہ سے محبت

جب ہم نے خدا کی محبت پالی ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا ہم خدا کو نظر انداز کریں گے جس نے ہمیں یہ محبت بخشی؟ سب سے پہلے اگر ہم نے خدا کی محبت پائی ہے تو دوسروں سے خدا سے اس محبت کا اظہار کرنا ہو جو یہ ہے کہ ہم اپنے اردگرد لوگوں سے محبت کریں۔ چونکہ خدا ہم سے بڑی کثرت سے محبت کرتا ہے اس لیے ہماری زندگی کا پہلا مقصد اُس کی شکر گزاری ہونا چاہیے جس کا اظہار ہم دوسروں سے محبت اور اُن کی خدمت کے ذریعے کر سکتے ہیں۔ ہم مسلسل خدا کی محبت پاتے ہیں اور خدا سے رفاقت رکھنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں ہماری زندگی کے سب سے بڑے مقصد میں خدا سے محبت اور اُس کی خدمت ہونا چاہے جس نے ہمیں پیدا کیا اور نجات بخشی۔ یہ عظیم مقصد ہماری زندگی کو بامعنی بنا دیتا ہے۔ کیونکہ ہم آئندہ کو خدا کی محبت میں زندگی گزارنا اور اُس کی خدمت کرنے کے متمنی ہوتے ہیں۔

مزید برآں! یہ بہت اہم ہے کہ اگر ہم خدا کی محبت کثرت سے پا چکے ہیں اور ہر زور اور زیادہ اُسکی محبت پا رہے ہیں تو یہ محبت ہمارے اردگرد لوگوں کی جانب بہنا شروع ہو جائے گی۔ ہم دوسروں کی مدد کریں گے، ہم ان کو تسلی دیں گے، ان کی حوصلہ افزائی کریں گے، ان کی دیکھ بھال

کریں گے اور اُن کو خوشی دیں گے کیونکہ اسی میں خدا کی خوشنودی ہے۔اور جن لوگوں کی ہم نے مدد کی اُن کی زندگیوں سے نئی اُمید اور مسرت دیکھیں گے۔کیا ہماری زندگی کا اس سے اعلیٰ بھی کوئی اور مقصد ہوسکتا ہے۔کیا ہم اس سے زیادہ گہرا اطمینان،خوشی اور شاندار اُمید حاصل کر سکتے ہیں جو خدا کی محبت میں جینے اور محبت میں اُس کی خدمت کرنے میں حاصل ہوتی ہے۔ یہ اعلیٰ زندگی آپ کے لیے آج ممکن ہے اگر آپ مسیح کی محبت کو پا لیتے ہیں تو اُن وعدوں کا یقین کریں۔خدا اپنی بادشاہی میں آپ کی زندگی میں آپکو پانی اور ہر چراگاہوں کی جانب راہنمائی کریگا۔(زبور23)

نظرِثانی اور مباحثہ کے لئے سوالات

۱) کیا یہ سچ ہے کہ جب تک ہم کسی شے کے مقصد کو نہ جانتے ہم اس شے کے بارے میں جان ہی نہیں سکتے؟

۲) ہمیں اپنی زندگی کے مقصد کو جاننے کی کیوں اشد ضرورت ہے؟

۳) آپ کی زندگی کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

۴) کیا کوئی ایسی وجوہات ہیں جو خود غرض اور بے اطمینان زندگی کا سبب ہیں؟

۵) ہم خدا اور انسانوں یا پھر اپنے دشمنوں سے محبت کرنے میں کیوں نا کام رہتے ہیں جو کہ ہمیں کرنی چاہیے؟

۶) ہمیں فیاض بننے سے پہلے کس عمل کی ضرورت ہے؟

۷) سچی محبت کیا ہے؟ پڑھیں 1 کرنتھیوں 13 باب۔

۸) انسان پرستی کی محبت میں کیا نقص ہے؟

۹) خدا نے کس مخصوص طریقہ سے اپنی محبت ہم پر ظاہر کی؟

۱۰) ہمیں کچھ دینے سے پہلے کیا حاصل کرنے کی ضرورت ہے؟

۱۱) اگر ہم مسیح کی محبت اور فضل پا لیتے ہیں تو ہماری زندگی کا بنیادی مقصد کیا ہونا چاہیے؟

تیسرا باب

کیا ہم آزاد ہیں؟

پہلے دوابواب میں ہم نے دیکھا کہ بہت سے لوگ تصور کرتے ہیں کہ خدا کے بغیر ان کی زندگیاں بہتر ہوسکتی ہیں لیکن جونہی ہم خدا کا انکار کرتے ہیں تو ہم خوفناک مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اِن مسائل میں سے ایک مسئلہ آزادی کا ہے اوراب ہم اس مسئلہ کے بارے میں غور کریں گے۔ بہت سارے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ مذہب نے اُن کی آزادی چھین لی ہے۔ سوفیہ کالج کے پروفیسر باسابے (Basabe) نے مختلف طلبا پر ایک سروے مرتب کیا جس میں 25 فیصد جاپانی طلبا نے یہ کہا کہ مذہب ان کے انفرادی وجود کو کمروز کرتا اوران کی شخصیت کی نشوونما میں حائل ہوتا ہے۔ (*Japanese Youth Confronts Relegions, 40*)۔ ایک طلبا نے لکھا کہ جوکوئی کسی مذہب پر ایمان لاتا ہے وہ منقطع شخص بن جاتا ہے۔ بیشتر لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ بائبل اور چرچ کے قوانین ان سے ان کی آزادی چھین لیتے ہیں۔ اس لیے ہمیں خدا سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے؟ اسطرح لوگ تصور کرتے ہیں کہ ہمیں آزاد ہونے کے لیے مذہب کی زنجیروں کو اُتار پھینکنا چاہیے؟ ہمیں اپنی آزادی اور اختیار کا دعوی کرنا چاہیے۔ تب ہی ہم اپنے ذاتی احساسات کا تجربہ کرسکیں گے جو کہ اپنی طاقت کی حقیقی ترقی ہے۔ یہ شاید آزادی کا ایک حیرت انگیز نظریہ لگے۔ کیا یہ نظریہ خوبصورتی سے کام میں لایا جاسکتا ہے؟

ہماری غلامانہ حالت

مغربی لوگ 15ویں عیسوی صدی تک یہ تصور کرتے تھے کہ خدا نے اس دنیا کو پیدا کیا ہے اور وہی اس دُنیا پر حاکم بھی ہے۔ اُس وقت کے لوگوں کے لیے یہ دُنیا شائشتہ دُنیا تھی کیونکہ یہ ایک مقصد کے لیے پیدا کی گئی تھی۔ اور اس دُنیا کی حاکمیت بھی بامقصد ہونے کی وجہ سے ایک منزل کی

جانب رواں دواں تھی۔ لیکن جب ہم خدا کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو ہمارے لیے یہ دُنیا مختلف ہو جاتی ہے۔ خدا کے بغیر یہ دُنیا زمان وحادثات کی پیداوار اور خطرناک طور پر لاشخصی بن جاتی ہے۔ ایسے میں یہ دُنیا ہمارے لیے انسانوں کا غیر شخصی کارخانہ بن جاتی ہے۔ ہماری پہچان انسان نہیں رہتی بلکہ ہم اس دُنیا میں دیگر اشیا کی ایک اکائی یا ہندسہ بن کے رہ جاتے ہیں۔ پیسہ اور ترقی ہمارے لیے سب کچھ بن جاتا ہے جس سے انسانی اقدار ناپید ہو جاتی ہیں۔ اس طرح دنیا ہمارے لیے خودکار دیوہیکل مشین کے سوا کچھ بھی نہیں رہتی۔ دنیا شخصیت کا احساس کھو دیتی ہے اور ہم بھی دنیا کو سمجھنے سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ ہم اس دیوہیکل مشین کے چھوٹے سے پُرزے کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہتے۔ اور دنیا کی یہ مشین بہت زور سے مختلف زمانوں میں چکر کاٹتی ہے جس میں انسان میکانی طور پر تھوڑا عرصہ کے بعد مٹی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ایسی دُنیا میں انسان کی آزادی کہاں ہے؟ ایک مشین کیا آزادی رکھتی ہے؟ اور اُس دیوہیکل بغیر خود مشین کا ایک چھوٹا سا پرزہ کیا آزادی رکھتا ہے۔

حتیٰ کہ 18ویں عیسوی صدی میں بھی چلے جائیں تو ایسے لوگ جنہوں نے خدا کا انکار کرنا شروع کیا وہ اپنی آزادی کے کھونے کے خوف میں مبتلا ہو گئے۔ جین جیقوس روسیو(Jean Jacques Rousseau) نے فطری دُنیا اور آزادی کے بارے میں فکرمندی کا اظہار کیا۔ اُس نے دیکھا کی استدلالی سوچ نے تخلیق کردہ دُنیا کو ایک خودکار مشین تک محدود کر دیا ہے۔ ڈاکٹر فرانسیس شیفر اپنی کتاب بعنوان ''بیسویں صدی کے اختتام پر کلیسیا'' میں یوں لکھتا ہے کہ:
''روسیوں کے زمانہ تک لوگوں میں پہلے سے خودکار مشینی دنیا کے خوف کا احساس پیدا ہو چکا تھا'' (*The Church at the End of 20th Century*, 12)۔ عصرِ حاضر کی کرداری نفسیات نے اس مسئلہ کو حقیقت میں تبدیل کر دیا۔ اس نظریہ کے حامی یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے اردگرد ماحول کی پیداوار ہونے کی وجہ سے ہم خالص مادہ ہیں نہ کہ روحانی۔ ہمارا ماحول ہمارے اُوپر اختیار رکھتا ہے اور جو چاہیے ہمیں بنا دے۔ اس لیے اگر آپ انسان کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو اُس کے حالات تبدیل کر دیں۔ اور اگر آپ ماحول یا حالات کو تبدیل کر دیتے ہیں تو لوگ یا اشخاص بھی تبدیل ہو جائیں گے۔ ایسے نظریہ میں بھی آزادی کہاں ہے۔ یہ بھی فلسفہ جبریت ہے۔ بڑے

بڑے لوگوں نے بھی اس غیر مذہبی دنیا کی آزادی کے مسئلہ کے بارے میں فکر مندی کا اظہار کیا۔ ان میں سے ایک جین پاؤل سارٹرے(Jean paul Sartre) تھا۔اور سارٹرے کی تحقیق کا بڑا مضمون بھی آزادی ہی تھا۔اس کے نظریہ آزادی کو خلاصہ کے طور پر یوں بیان کیا جا سکتا ہے:
''یہ انسان ہی ہے جو اپنی ذات پر اختیار رکھتا ہے نہ کہ کوئی خارجی شے۔ انسان اور صرف انسان نا قابل انسداد۔۔۔۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی حاکمیت کا تعین خود کرتا ہے اور اپنے اس چناؤ میں وہ خود آزاد و خود مختار ہے''(*Zuidema*, 9)۔

لیکن سارٹرے کے نظریہ آزادی میں بھی پیچیدہ مسئلہ یہ ہے کہ انسان کو خدا، ریاست اور کمیونٹی (دوست یا رشتہ داروں) کی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔اس نظریہ کے مطابق انسان کو اپنے آپ اور اپنے ماضی سے خود فرار ہونا پڑتا ہے۔دوسرے انسان سے واحد اور جائز تعلق جارہانہ کاروائی کے سوا کچھ نہیں رہتا۔انسان کو دوسروں پر اپنی طاقت اور حاکمیت بشمول آزادی کے خود وسیع کرنا درکار ہے یعنی یہ کہ وہ اپنے آپ پر خود غالب آتا ہے، خود بہادری سے اُسے استعمال کرتا ہے(*Zuidema*, 12)۔یہ بات انسان کو دوسروں کا دشمن بنا دیتی ہے۔ سارٹرے دوسروں پر اعتقاد کو ''بدخواہی یا غداری'' کہتا ہے۔اس طرح کی سوچ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ شدید اکیلے پن کا شکار ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر ایک شخص مطلق اکیلا ہے اور انسان وسائل اور مقدور کا مرہون منت ہے۔

اس طرح تمام لوگوں کو شدید پریشانی میں اُمید ملنی چاہیے۔ جہاں ہر ایک شخص ہر دوسرے کا دشمن ہے وہاں امن و شانتی کے ساتھ ساتھ آزادی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سارٹرے کی آزادی کو آخر کار شکست کا سامنا کرنا پڑا۔اُس نے لکھا:''آزادی کی راہ میں حائل رکاوٹیں غیر مغلوب اور انسان ایک نا قابل استعمال جوش و جذبہ ہے جس کے اندر نا ختم ہونے والی کشمکش موجود ہے(*Zuidema*, 26)۔اس کے بعد موت کی نا قابل مذاہمت طاقت انسان کو کامل حاکمیت کے لیے مجبور کر دیتی ہے ۔ اور انسان کا سب کچھ خود نمائی نظر آتا ہے۔ سارٹرے نے آزادی کے مسئلہ کو سنجیدگی سے لیا مگر اس کا جواب نہ دے سکا۔کیا آپ کے پاس کوئی جواب موجود ہے؟ کیا خدا کے بغیر اس دنیا میں اس سوال کا کوئی جواب موجود ہو سکتا ہے؟ کیا

انسان خدا کی حاکمیت کی جگہ لے سکتا ہے۔ بے شک وہ ایسا نہیں کرسکتا۔جس طرح ہمارے تصورات بے ثبات ہیں اسی طرح انسانی حاکمیتِ کل کا تصور بھی ایسا ہی ہے۔آج کی اس دنیا میں چھ کھرب سے زیادہ لوگ آباد ہیں۔اور سوچیں کہ اگر ہر ایک شخص خودمختار اور حاکمیت کا سرچشمہ ہوتو اس حالت میں آزادی کی بجائے ابتری ہوگی۔مطلق آزادی ہماری لیے امر محال ہے۔

حقیقی آزادی

جب لوگ اپنی آزادی کے لیے خدا کو خفیہ دروازے سے باہر نکال پھینکتے ہیں تو اُن کا اپنا گھر اُن کے لیے قید بن جاتا ہے۔اپنی آزادی کو کھونے کا سب سے آسان طریقہ یہ کہ آپ خدا اور اُس کی شریعت کا انحراف کرنا شروع کر دیں۔حتیٰ کی سیاسی دُنیا میں بھی اگر آپ خدا کے آئین کو رد کر دیتے ہیں تو نیک و بد کی تمیز کا کوئی میعار نہیں مل سکتا۔ایک جابر جب اپنے آپ کو آزاد تصور کرتا ہے تو وہ کچھ بھی کرسکتا ہے۔اس لیے معقول و رراست آئین کے بغیر انسانی حقوق اور آزادی بے ثبات ہے۔

اگر ہم خدا کو رد کرتے ہیں تو ہم ایک خودکار کائنات میں ایک میکانی غلام بن جاتے ہیں۔اگر ہم معاشرتی آئین، خاندانی اصلاح اور دوستوں کی آرا کو محض اس لیے رد کرتے ہیں کہ اپنی خوہشات پر مبنی آزادی حاصل کریں تو ہم دشمنوں کی دنیا میں مکمل طور پر تنہا رہ جائیں گے اور آخر کا ہم اسی قید میں موت کی منزل کو پہنچ جاتے ہیں۔اور اگر ہم تمام تر قوانین کو رد کر دیتے ہیں تو ان بے رحم انسانوں کی ظلمت کا شکار ہو جائیں گے جو کسی آئین و شریعت کو نہیں مانتے۔ہم اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ حقیقی آزادی مکمل طور پر نا قابل انسداد اور لامحدود نہیں ہے۔حقیقی آزاد کسی اچھائی یا برائی سے آزادی کا نام بھی نہیں یعنی کہ کوئی شخص جو محسوس کرے وہی کرنے کا نام بھی نہیں۔اس کے برعکس حقیقی آزادی خدا کی نظر میں اچھائی کا نام ہے۔میرا یہ پختہ یقین ہے کہ حقیقی آزادی ابدی خدا جس نے ہمیں پیدا کیا اور ہم پر حاکم ہے اُس کی مرضی کے مطابق چلنے کا نام ہے۔

کلام مقدس میں مسیح نے کہا: ''۔۔۔اگر تم میرے کلام میں قائم رہو گے تو حقیقت میں

میرے شاگرد ٹھہرو گے۔ اور سچائی تم سے واقف ہو گے اور سچائی تم کو آزاد کرے گی۔'' (یوحنا 8 باب 31 تا 32 آیات)۔خدا جابر اور خود سر نہیں ہے۔وہ محبت کرنے والا باپ ہے۔اُس کے احکامات ہماری آزادی نہیں چھینتے بلکہ ہمیں برائی اور مصائب سے محفوظ رکھتے ہیں۔اس لیے اگر خدا کے ابدی فرزندوں کی طرح ہم آزادی کے متلاشی ہوتے ہیں تو ہم حقیقی آزادی ضرور پا سکتے ہیں۔حقیقی آزادی برائی سے بھاگنے اور خدا کی مرضی کی تکمیل کا نام ہے۔نفرت کی آگ سے جلنے کی بجائے خدا کی محبت کی آگ آپ کے اندر ہونی چاہیے۔ایسی محبت برائی کی نہیں بلکہ خدا کی نظر میں مقبولیت کی خواہاں ہوتی ہے۔ایک ٹرین کو آزادی سے چلنے کے لیے مناسب پٹڑی پر رہنا ضروری ہے۔اگر یہ پٹڑی سے اُتر کر کسی کھیت یا جوہڑ میں جا گرے تو تباہ ہو جائے گی۔اور اگر یہ مناسب راستہ پر رہتی ہے تو نہ صرف اس میں سوار لوگ بھی محفوظ و آزاد ہیں بلکہ یہ طویل سفر بھی کر سکتی ہے۔اسی ٹرین کی طرح انسان کو بھی خدا کے آئین و احکام میں چل کر ہی صحیح آزادی حاصل ہو سکتی ہے۔

غلامی سے نجات

ہم پہلے سے خدا کے آئین کی بارہا نافرمانی کر چکے ہیں۔کلام مقدس ہمیں سکھاتا ہے کہ شیطان ہمارے اندر سے اپنا کام سرانجام دیتا ہے۔اور شیطان کی یہ طاقت بڑی ہے اور ہم اپنی طاقت سے اس پر فتح نہیں حاصل کر سکتے۔اس لئے کلام مقدس ایمانداروں کو یہ مشورہ دیتا ہے۔ ''خدا کے سب ہتھیار باندھ لو تاکہ تم ابلیس کے منصوبوں کے مقابلہ میں قائم رہ سکو۔ کیونکہ ہمیں خون اور گوشت سے کشتی نہیں لڑنا ہے بلکہ حکومت والوں اور اختیار والوں اور اس دُنیا کی تاریکی کے حاکموں اور شرارت کی اُن روحانی فوجوں سے جو آسمانی مقاموں میں ہیں۔'' (افسیوں 6 باب 11 تا 12 آیات)۔

حتیٰ کہ ایسے لوگ جو اپنے آپ کو راست و صالح تصور کرتے ہیں وہ بھی برائی کا شکار ہیں اور اپنی بُری عادات سے فرار نہیں ہو سکتے۔شاید آپ کو بھی ایسا تجربہ ہوا ہو۔کلام مقدس ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم شیطان کے غلام بن گئے۔کلام مقدس یہ بھی واضح کرتا ہے کہ جب ہم اپنے دلوں

کو ابلیس کی طرف مائل کریں گے تو خدا ہمیں اس برائی کی سزا ضرور دے گا۔ اور خدا کا اپنا کلام معیارِ عدالت ہوگا۔ کلام مقدس میں یہ بھی مرقوم ہے: ”کیونکہ جتنے شریعت کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں وہ سب لعنت کے ماتحت ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ کوئی اُن سب باتوں کے کرنے پر قائم نہیں رہتا جو شریعت کی کتاب میں لکھی ہیں اور لعنتی ہیں۔“ (گلتیوں 3 باب 10 آیت)۔ اس لیے اگر ہم خدا کے وجود کا انکار کریں اور اپنے آپ کو آزاد و خود مختار سمجھیں تو ابلیس کی پیروی میں کی ہوئی بدکاری کی عدالت سے بچ نہیں سکتے۔ ایسی حالت میں آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم حقیقی طور پر آزاد ہیں۔ تاہم کلام مقدس ہمیں ایک خوشخبری دیتا ہے کہ ہم مسیح کے فضل کے تحت حقیقی آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس خوشخبری کے مطابق اگرچہ ہم خدا کے آئین کو توڑنے والے بھی تھے تو خدا نے اپنی محبت کی خاطر اپنے ابدی بیٹے یسوع کو گناہ کی طاقت و لعنت سے چھڑانے کے لیے بھیجا۔ مسیح یسوع جو ابد سے خدا بھی تھا ہماری خاطر انسان بن گیا۔ اور اُس نے ہمارے گناہ کی سزا کو اپنے اُوپر لے کر اُس کا کفارہ ادا کیا۔ وہ ہماری جگہ صلیب پر چڑھایا گیا تا کہ ہمارے گناہ مٹ جائیں۔ اور وہ تیسرے دن مردوں میں سے جی اُٹھا تا کہ موت اور شیطان کی طاقت پر فتح پائے۔ اگر آپ بائبل کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ جانیں گے کہ مسیح زندہ ہو کر چالیس دن تک اپنے شاگردوں کے ساتھ چلتا اور گفتگو کرتا رہا۔

کلام مقدس اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ جو مسیح ہمارے گناہوں کی خاطر مر گیا اور دوبارہ زندہ ہوا جب ہم اُس پر ایمان لاتے اور اپنے آپ کو اُس کے سپرد کرتے ہیں تو وہی ہمیں حقیقی آزادی دے سکتا ہے۔ جب ہم مسیح کی معافی کے متلاشی ہوتے ہیں تو وہ خدا کے خلاف ہمارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اس طرح ہم گناہ کی لعنت سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ وہ ہمیں ایک نیا دل بخشتا ہے جو خدا کی خوشنودی چاہتا ہے۔ اور مسیح ہمیں خدا کی خوشنودی کے لیے مددگار روح بخشتا ہے۔ اس طرح ہم متواتر گناہ، شہوت اور بُری عادات کی قید میں ہوتے ہیں۔ مسیح ہمیں خدا کے فرزند ہونے کا حق بھی بخشتا ہے اور دُعا میں آسمانی خدا کے ساتھ ہمکلام ہونے کا رستہ بھی کھولتا ہے۔

اس طرح ہم کائنات کے خدا تک رسائی کے ذریعے مدد حاصل کر کے شکر گزاری کی

زندگی گزار سکتے ہیں۔ مسیح یسوع ہمیں یقین دلاتا ہے کہ خدا ہماری مدد و محافظت کے لیے ہمارے ساتھ ہے۔ خصوصی طور پر جب کلام مقدس کی سچائی کو اپناتے اور دوسروں کو پہنچاتے ہیں۔ اس لیے جب ہم خدا کی خدمت کا کام سرانجام دیتے ہیں تو انسانی تنقید اور غیبت کے خوف سے سے آزاد ہیں۔ اس لیے جب ہم اپنے دلوں میں خدا کو قبول کرتے ہیں تو وہ ہمارے ساتھ ہمیشہ کی زندگی کا وعدہ بھی کرتا ہے۔ یہ حقیقی آزادی ہے۔ یہ ایسی آزادی ہے جس کے ذریعے ہم خدا اور انسانوں کی نگاہ میں معتبر ٹھہرتے ہیں۔ یہ آزادی خدا کے ساتھ رفاقت بھی مہیا کرتی اور ہمیشہ کی زندگی کا حق بھی بخشتی ہے۔ میرے لیے مسیح میں یہ آزادی حیرت انگیز ہے۔ میری اُمید ہے آپ بھی مسیح پر ایمان لا کر یہ آزادی حاصل کریں گے۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو آپ زندگی کی بیزاری سے آزاد ہو جائیں گے۔ زندگی اس بیزاری کا مستحکم مقصد اور منزل نہیں۔

نظر ثانی اور مباحثہ کے لئے سوالات

۱) بہت سے نوجوان مذہب اور آزادی کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟

۲) جو لوگ خدا کو خالق مانتے ہیں اُن کا نظریہ دنیا کیا ہے؟

۳) اس نظریہ کا نظریہ دہریت سے موازنہ کریں؟

۴) روسیوں کی طرح انسان کی آزادی کو کیسے خطرہ ہے؟

۵) کرداری نفسیات کے نظریہ آزادی کے مسائل کیا ہیں؟

۶) سارٹرے اپنے نظریہ آزادی کے لیے کس حد تک جاتا ہے اور کیا وہ کامیاب ہوتا ہے؟

۷) جب ہم خدا اور اُس کے آئین سے انحراف کرتے ہیں تو ہماری آزادی کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔

۸) مسیح حقیقی آزادی کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ دیکھیں یوحنا 8 باب 31 تا 32 آیات۔

۹) وہ کونسی طاقت ہے جو ہمیں غلام بنا لیتی حتیٰ کہ جب ہم اپنے آپ کو آزاد تصور کرتے ہیں؟

۱۰) مسیح نے ہمیں گناہ کی طاقت اور لعنت سے چھڑانے کے لیے کیا کیا؟

۱۱) مسیح اُنکو جو اُس پر ایمان لاتے ہیں کیسی حقیقی آزادی بخشتا ہے؟

چوتھا باب

ہم کیا جانتے ہیں

لوگ عمومی طور اس بات کے قائل ہیں کہ سائنس حقیقی علم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ بے شک سائنسی دُنیا کی نت نئی دریافتیں اور ایجادات سے ہمیں حیران کر رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی لوگ مذہب کو افسانوی، تصوف، نفسیات اور جذبات کا دور کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس لیے لوگ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہمیں علم حاصل کرنا ہے تو سائنس کا رُخ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اگر آپ کو احساسات وجذبات کے بارے میں جاننا ہے تو مذہب کی طرف جائیں۔ بہت سارے لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم مذہب سے علم حاصل نہیں کر سکتے۔

نتیجہ کے طور پر سائنسی دُنیا خدا کی مدد کے بغیر علم حاصل کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ یہاں تک کہ خدا پر ایمان رکھنا کچھ لوگوں کے قریب سائنسی طریقوں اور علوم کی مخالفت کے مترادف ہے۔ ایسے لوگ تصور کرتے ہیں کہ وہ خدا کے بغیر اس کائنات کے بارے میں خوب جانکاری رکھ سکتے ہیں اور مستقبل میں کائناتی علوم کی تکمیل کے دعویدار بھی ہیں۔

برٹ رینڈ رسل ہمیں سائنسی ضابطہ کے بارے میں سخت نصیحت کرتا ہے۔ ''جہاں سائنس طاقت کی تلاش میں مسلسل فتوحات سے ہمکنار ہو رہا ہے لیکن سچائی کے متلاشی کی حیثیت سے سائنس تشکیک پرستی سے ہلاک ہو گیا ہے۔۔'' (**The Scientific Outlook,** 100)۔ ایک بار پھر برٹ رینڈ رسل کہتا ہے کہ ''یہ ایک متجسس حقیقت ہے کہ جب گلی کے عام آدمی نے سائنس کا مکمل طور پر یقین کر لیا ہے مگر لیبارٹری کے آدمی نے اپنا ایمان کھونا شروع کر دیا ہے''۔ (**The Scientific Outlook,** 85)۔ ہم اگرچہ سائنس کے عجیب کمالات سے حیران ہوتے ہیں تاہم اسی لمحہ ہم ہیبت ناک مسائل کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اور ان کمالات ومسائل

نے کچھ ایسی اشیا پیدا کی ہیں جو نسل انسانی کی بقا کے لیے خطرہ بن چکی ہیں۔

معروضیت یا واقعیت پسندی (Objectivism) کا مسئلہ

ہمارا مسئلہ معروضیت یا واقعیت پسندی کا مسئلہ ہے۔ سائنسدان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ غیر جانبدار ہوتا ہے وہ شخصی نظریات سے اثر پذیر نہیں ہوتا۔ لیکن ڈاکٹر میرٹ ایس کونگڈون جو کہ فلڈ یفہ ٹرینٹی کالج میں سائنس کا پروفیسر تھا کچھ یوں لکھتا ہے کہ: ''سائنس ایک آزمایا ہوا علم ہے لیکن یہ ابھی تک انسانی وہم، فریبِ نظر اور نقص کے زیر سایہ ہے۔ اس لیے یہ اپنی سرحدوں کے اندر ہی جائز ہے۔۔۔ اس کا آغاز اور انجام احتمال و امکان پر ہوتا ہے نہ کہ یقینی امر پر۔۔۔ سائنسی خلاصہ میں کوئی قطعیت نہیں ہوتی (*Monsma*, 34)۔

مزید برآں! آئن سٹائن کے نظریہ نے بھی متفقہ طور پر عام مشاہداتی سوچ کو پریشان کیا ہے۔ ہم نے یہ تصور کرلیا کہ جب ہم ایک واقعہ کا تجزیہ کرتے ہیں تو اُس کے زمان و مکان کے بارے میں رائے قائم کر سکتے ہیں۔ آئن سٹائن نے خود یہ ثابت کیا کہ یہ حقیقت نہیں ہے۔ اس ضمن میں پروفیسر ڈاکٹر وین ریسن کہتا ہے: ''اگر ایک ہی شے کو دو دفعہ ناپا جائے تو اُس کی پیائش مختلف ہوسکتی ہے (*Christian Perspectives*, 26)۔ پہلے سے زیادہ لوگ آج سائنسی ذہن کی معروضیت یا واقعیت پسندی کو شبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔ برٹرینڈ رسل بھی یوں لکھتا ہے: ''ہمارے درمیان سب سے زیادہ استدلالی ذہن کا طوفانی سمندر سے موزانہ کیا سکتا ہے جس میں پر جوش قائلیت خواہشات کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اور جس کی سطح پر چند چھوٹی کشتیاں خطرات کی زد میں تیر رہی ہوتی ہیں جن میں سائنس کی آزمودہ آرا کا سامان ہوتا ہے'' (*Scientific Outlook*, 14)۔ اس کے علاوہ یہ تصور بھی عام بھی پایا جاتا ہے کہ مذہبی طور پر ایک سائنسدان غیر جانبدار نہیں ہوسکتا۔ وہ یا تو خدا پر ایمان رکھنے والا ہوگا یا پھر غیر ایماندار ہوگا۔ یا تو وہ اپنی سوچ سے خدا کو خارج کردے گا یا پھر خدا کی کائنات کی باخبری سے تحقیق کرے گا۔

سائنس کی حدود و قیود

سائنس کا ایک دوسرا مسئلہ اس کی حدود و قیود ہے۔ آپ نے شاید پانچ نابینا آدمیوں کی

کہانی سنی ہوگی جن کو ہاتھی دکھانے کے لیے لے جایا گیا۔اس میں سے ہر ایک نے ہاتھی کے مختلف حصے کو چھو کر ہاتھی کے بارے میں اپنے احساسات کا مختلف اظہار کیا۔جس آدمی نے ہاتھی کی دم کو چھوا تھا اُس نے کہا یہ ہاتھی ایک رسی کی طرح کا ہے۔اور وہ آدمی جس نے ہاتھی کی ٹانگ کو چھوا وہ کہنے لگا کہ ہاتھی ایک درخت جیسا ہے۔ایک نے ہاتھی کے پہلو کو چھو کر کہا ہاتھی ایک مکان کی مانند ہے۔اگر چہ ان سب آدمیوں کے بیانات میں کچھ سچائی ضرور تھی لیکن سب کے سب اپنے اندازوں میں غلط نکلے۔اس طرح سائنسدان بھی اس کائنات کو کس حد تک دیکھ سکتے ہیں۔انہوں نے خلا میں بہت کچھ دریافت کیا لیکن وہ کائنات کے کنارہ کے قریب نہ پہنچ سکے۔کیا وہ کائنات کا آدھا حصہ دیکھ سکتے ہیں یہ ہم نہیں جانتے۔شاید وہ ہاتھی کی دم ہی دیکھ سکتے ہوں۔اس طرح ہم کائنات کے مکمل علم کے بغیر کائنات کی حالت و ہیت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔اور ہم دنیا کے مقصد اور اختتام کے بارے میں بھی اپنے نامکمل علم کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ہم کسی شے کی اصل، مقصد اور اختتام کو جانے بغیر اُس شے کے بارے میں کچھ نہیں جان سکتے۔اور یہ حقیقت انسان اور کائنات پر بھی سچ ثابت ہوتی ہے۔

برٹ رینڈ رسل کے بیان سے یہ معلوم ہوتا کہ وہ کائنات کو سمجھنے میں قاصر ہے جب وہ یوں کہتا ہے:"میرے خیال میں ساری کائنات ہم آہنگی، تسلسل، مطابقت، ترتیب اور ایسی خصوصیات جو محبت کے لیے ہیں ان کے بغیر د اغدار اور بے ڈھنگی ہے(***Scientific Outlook, 95***)۔اسی طرح بہت سارے سائنسدان کہہ رہے ہیں کہ صرف مادی اشیا کا وجود ہے۔دوسرے جانب فلاسفر بیان کرتے ہیں کہ صرف تخیلات کی دُنیا حقیقی دُنیا ہے۔اور ہمارے دور کے ماہرین طعبیات تو مادہ پرستی کو بھی نہیں مانتے(***Scientific Outlook, 80***)۔اس بنیادی اور اہم سوالات کے بارے میں دونوں سائنس اور فلسفہ کو یہ کہہ دینا چاہیے کہ ہم ان سوالات کے جوابات نہیں دے سکتے۔ور بہت بڑے بڑے سائنسدان اور فلاسفر وجوت پرستی یا لا ادریت (***agnosticism***) کے قائل نظر آتے ہیں۔ان سوالات کے بارے میں کوئی واضح علم نہیں ملتا۔برٹ رینڈ رسل اس محرومی کو خوب جانتا اور مانتا ہے۔جیسا کہ وہ کہتا ہے"علم میں اضافہ کے ساتھ ساتھ حکمت میں بھی اضافہ ضروری ہے"۔حکمت کی وضاحت میں وہ پھر کہتا ہے"حکمت سے

میری مرادزندگی کے اختتام کے صحیح تصورات ہیں۔ یہ ایک ایسی سچائی ہے جو سائنس کے پاس نہیں ہے۔ سائنس کی ترقی اپنے آپ میں خالص ترقی کی ضمانت نہیں ہے(Scientific Outlook, Introduction, x)۔اس لیے ہمیں یہ دریافت کرنا چاہیے کہ کیوں اتنے ذہین ومتین دماغ ان اہم سوالات کا جواب دیے بغیر چلے گئے؟ وہ کیوں مجھے یہ نہیں بتا سکتے کہ مَیں کون ہوں اور مَیں اس جہان میں کس مقصد کے لیے موجود ہوں؟

علم کی کلید

یہ کہنے میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں کہ سائنس علم کی کلید کھو بیٹھا ہے۔ کیونکہ سائنسدانوں نے خدا کی دنیا سے اُسے خارج کر دیا ہے جو کہ اس دنیا کا خالق ہے۔ سائنس نے اس نادر اور انوکھی کائنات کی کھوج اس کے خالق کو جانے بغیر لگانے کی کوشش کی ہے۔ان کے خیال میں یہ شان دار، بالترتیب اور پر پیچ کائنات حادثاتی طور پر وجود میں آ گئی۔ اس لیے ایسے لوگ کائنات کے بارے میں بغیر کسی حقیقی علم کے لاحاصل نتیجے پر پہنچتے ہیں۔

بائبل مقدس کہتی ہے: ''خدا کا خوف حکمت کا شروع ہے اور اُس قدوس کی پہچان فہم ہے'' (امثال 9 باب 10 آیت)۔ اس کائنات اور انسان کے مقصد اور منزل کو جاننے کے لیے ہمیں سب سے قبل خدا کو اور اُس کی صفات اور اس دنیا کے لیے اُس کے مقصد کو جاننے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر اینڈریو کونواے آئی وی دُنیا کا ایک معروف سائنسدان ہے وہ اس طرح لکھتا ہے: ''کیا کوئی خدا ہے؟ ہاں مَیں اس حقیقت کا یقین اس طرح رکھتا ہوں جس طرح میں کسی مادہ شے کے بارے میں یقین رکھتا ہوں۔ خدا کے وجود کا یقین مجھے کسی شے کے وجود کے بارے میں ایک کامل، اصلی اور منطقی مفہوم مہیا کرتا ہے۔ خدا پر ایمان انسان کی شخصیت اور توانائی کے بارے میں ایک منطقی وجہ ہے۔ اس لیے خدا کی ذات کا یقین ہمارے نا قابلِ انتقال حقوق اور فرائض کا اصلی اور منطقی منبع ہے۔ اور خدا پر ایمان ہی روحانی اقدار کی پختہ اور واحد بنیاد ہے کیونکہ ایسا استقلال کسی ابدی الٰہی ذات میں ہی پایا جا سکتا ہے''۔ (Monsma, 225)۔ خدا علم وحکمت کی کلید ہے۔ خدا کے عرفان کے بغیر لوگ آخر کار تشکیک پرستی اور لاادریت کے نتیجے

پر پہنچتے ہیں۔ جو لوگ خدا پر یقین نہیں رکھتے شاید کچھ عظیم سائنسی کارنامے کر دکھائیں کیونکہ ایسا نہیں ہے کہ بغیر خدا کے سائنس کی عجیب کھوج اور انکشافات ممکن نہیں۔ لیکن خدا کے بغیر حقیقی علم نہیں حاصل کیا جا سکتا کیونکہ خدا اصل حکمت کی کلید ہے۔ یوں خدا کے بغیر سائنس منطقی معاملات کی اہمیت سے بے خبر تشکیک پرستی کی کھائی میں گر جاتا ہے۔ اگر ہم خدا کو جانتے ہیں تو ہم اس کائنات کی اصل اور انجام کے ساتھ ساتھ اس کے مقصد کو بھی جان سکتے ہیں۔ ہم اپنے بارے میں بھی جاننا شروع کر دیتے ہیں اور زندگی اور موت کی اخلاقیات کا بھی درست علم رکھتے ہیں۔ کیونکہ خدا ان تمام معاملات و مقاصد کو دنیا کے آغاز سے جانتا ہے۔ اُس کی مرضی ہی ہماری اخلاقی اقدار کا معیار اور اُس کا مقصد ہی ہمارا مقصدِ حیات ہونا چاہیے۔

لیکن کیا ہم ایسے خدا کو جان سکتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ہم اُسے کیسے جان سکتے ہیں؟ ہمارے پاس ایک بہت ہی اچھی خبر ہے۔ خدا نے اپنی محبت کی خاطر اپنے آپ کو ہم پر منکشف کر دیا ہے۔ زمانہ قدیم میں اُس نے آدم، ابراہام، موسیٰ اور بہت سے نبیوں سے کلام کیا۔ اور اس کے بعد خدا اپنے بیٹے مسیح یسوع کے ذریعے ہم سے ہمکلام ہوا جیسا کہ لکھا ہے۔ ''اگلے زمانہ میں خدا نے باپ دادا سے حصہ بہ حصہ اور طرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کر کے۔ اس زمانہ کے آخر میں ہم سے اپنے بیٹے کی معرفت کلام کیا جسے اُس نے سب چیزوں کا وارث ٹھہرایا اور جس کے وسیلہ سے اُس نے عالم بھی پیدا کیئے۔ وہ اُس کے جلال کا پرتو اور اُس کی ذات کا نقش ہو کر سب چیزوں کو اپنی قدرت کے کلام سے سنبھالتا ہے۔ وہ گناہوں کو دھو کر عالمِ بالا پر کبریا کی دہنی طرف جا بیٹھا۔'' (عبرانیوں 1 باب 1 تا 3 آیات)۔

خدا نے ہم سے شخصی طور پر کلام کیا۔ اُس نے اپنا ابدی بیٹا بھیج دیا جو تمام طرح سے اپنے باپ کے برابر ہم سے کلام کرتا ہے۔ اُس کا کلام زمانہ قدیم کے نبیوں کی معرفت کیا گیا اور اُس کلام کی تصدیق کرتا ہے۔ اور اُس کے کلام کا مطلق اختیار اُس کے قوی کاموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ مسیح کے رسولوں کے اعمال اور ابتدائی کلیسا کی نشوونما بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ نبیوں کی معرفت اور مسیح کے ذریعے خدا کا مکاشفہ بائبل مقدس میں چھیاسٹھ کتب پر مشتمل ہے۔ بائبل جو کہ خدا کا الہامی کلام ہے اُس کی معرفت خدا ہمیں اپنی ذات کا عرفان بخشتی ہے اور ہمیں اپنی

پہچان کراتی ہے۔اُس نے ہمیں ہماری زندگیوں کا مقصد بتایا ہے۔اوراُس نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ ہم کس منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔اوراپنے کلام میں خدا ہمیں زندگی کے اصول واخلاقیات بھی بخشتا۔سب سے بڑھ کر خدا نے ہمیں اپنے بیٹے کے ذریعے معافی فراہم کی۔اس لیے ہمیں کلام مقدس کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیے اگر ہم خدا اوراپنے آپ کو جاننا چاہتے ہیں۔اس لیے اگر ہم حقیقی عرفان حاصل کرنا چاہتے ہیں تو کلام مقدس اس مقصد کے لیے بنیادی منبع ہے۔کلام مقدس ہمیں سائنس کی تمام تر تفصیلات تو نہیں بتائے گا لیکن یہ عظیم بنیادی اصول بتاتا ہے کہ ہم کس مقصد کے لیے جی رہے ہیں اور کس منزل کی جانب جارہے ہیں۔شاید کلام مقدس کے بارے میں میرے بتائے ہوئے تمام باتوں کا یقین نہ کریں لیکن جب آپ اس کا مطالعہ کرنا شروع کریں گے تو آپ خود بخود سمجھ جائیں گے کہ مَیں کیا کہہ رہا ہوں۔کلام مقدس کا گہرا مطالعہ کیے بغیر اس کو نظر انداز کرنا بہت بڑی غلطی ہوگی۔

نظرثانی اورمباحثہ کے لئے سوالات

۱) عام آدمی کیوں یہ کہتا ہے کہ سائنسی علم مذہبی علم سے زیادہ قابل اعتبار ہے؟

۲) کچھ سائنسدان اورفلاسفر جیسا کہ برٹ رینڈ رسل سائنس کے وثوق کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

۳) سائنسدانوں کے نظریہ معروضیت یاواقیعت پسندی کے بارے میں کیا مسائل ہیں؟

۴) سائنس کیسی حدود وقیود میں ہے؟

۴) حقیقی علم وحکمت کی کلید کیا ہے؟

۵) ڈاکٹر اینڈ یوکونوا ے خدا کو جاننے کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

۶) خدا کو جانے بغیر حقیقی علم کو جاننے کے نتائج کیا ہیں؟

۸) ہم حقیقی طور پر کیسے خدا کو جان سکتے ہیں؟

۹) بائبل مقدس ہمیں کس قسم کا علم فراہم کرتی ہے؟
۱۰) مسیح کس قسم کا علم اور فضل اس دنیا میں لایا؟

پانچواں باب

کیا ہم خالق خدا کے بغیر جی سکتے ہیں؟

قدیم یونانی فلسفہ کے دور میں ایک مستحکم اصول یا طاقت کی کھوج کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی کہ اس زندگی کے تمام تر تصورات اور اقدار کا ایک کامل اور بامعنی ڈھانچہ پیش کیا جا سکے۔ ایسا تصور اور نظریہ افلاطون نے قائم کیا۔ لیکن اُس کا یہ نظریہ ناکافی تھا کیونکہ یہ حقیقی زندگی سے کوسوں دُور ہونے کی وجہ سے ناقابلِ عمل تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ فلسفہ تمام تر چیزوں کو متحد کرنے کے لیے کمزور تھا۔ کیونکہ اس تصور کو غیر یقینی درپیش تھی کہ قیاس مقدر پر حاوی ہے یا کہ مقدر قیاس پر حاوی۔ اس لیے ایسے فلسفے میں ہم آہنگی نہ تھی اور نہ تو ایسے تصورات کا مطلق واحد اور ایک کامل ڈھانچہ سامنے آیا۔

لیکن یہودی اور مسیحی مکاشفہ یعنی پرانے اور نئے عہد نامہ میں اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ کوئی مطلق ابدی خالق خدا اور آئین دینے والا ہے اور وہی اس کائنات کا حاکم ہے۔ وہ ایک شخصی خدا ہے اور تمام تر اشیا کے لیے ایک جامع منصوبہ ہے اپنے منصوبہ کی تکمیل ناکامی کے بغیر کرتا ہے۔ وہ انصاف کے سارے تقاضے پورے کرتا ہے اور جن پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے۔ تاہم بائبل مقدس کے مطابق قادرِ مطلق خدا، شخصی خدا اور ابدی خالق ہی تمام تر اشیا کا ایک مربوط اصول پیش کرتا ہے۔ اُس میں تمام تر اشیا ایک دوسرے سے ہم آہنگ اور بامقصد و بامعنی طور پر منسلک و متصل ہیں۔

جدید سائنسی دور کے آغاز میں بڑے بڑے سائنسدانوں کا یہ یقین تھا کہ دُنیا کی تمام اشیا کے پیچھے یہی شخصی خدا کا ہاتھ ہے اور انہوں نے اپنا سائنسی کام تصورِ ''پیش از وقوع'' (Presupposition) کی بنیاد پر کیا۔ اپنی کتاب بعنوان ''وہ (خُدا) موجود ہے اور وہ خاموش

نہیں‘‘(He is There and He is not Silent)میں ڈاکٹر فرانسیس اے شیفر لکھتا ہے:’’بائبلی مسیحیت کے دور میں نیوٹن اور فاراڈے تک تمام اشخاص یعنی گلیلیو، کوپرنیکس، کیلپر، فرانسیس بیکن نے اس بات کی تصدیق کی کہ یہ کائنات اس لیے موجود ہے کہ خدا نے اسے پیدا کیا ہے‘‘۔اس ضمن میں وائٹ ہیڈ نے کیا ہی خوبصورت کہا ہے:’’چونکہ خدا منطقی اور شعوری خدا ہے اس لیے ہم اس کائنات میں شعوری طور پر سچ دریافت کر سکتے ہیں‘‘(67)۔

لیکن عصر حاضر کے سائنسدانوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ تو بہت ہی ذلت آمیز اور پابند کرنے والی بات ہے کہ آپ ایک حاکم اور مطلق خدا کی حاکمیت وانصاف کے ماتحت ہوں۔اس لیے سائنسی ضابطہ کے مطابق انہوں نے خدا کو ردّ کر کے اپنا اختیار وضح کیا۔ان کا یہ بھی خیال تھا کہ خود مختار شخص ہی مکمل طور پر آزاد ہو سکتا ہے اور خوش کن زندگی گزار سکتا ہے۔ روسیو (Rousseau) نے اس نظریے کو نئی سمت بخشی۔اُس نے دیکھا کہ اگرچہ سائنسی دُنیا میں ہم فطری علم کے قوانین کے پابند ہیں لیکن انسان کو مکمل طور پر مذاہب اور اخلاقیات سے آزاد ہونا چاہیے۔اُس نے کہا کہ خدا کی طرف سے ایسا کوئی مکاشفہ نہیں جو سنا جائے۔

کانٹ(Kant)اور ہیگل(Hegel)تو اس سے بھی دو قدم آگے نکل گئے۔انہوں نے کہا کہ ہم علم وسچائی کی کھوج کے لیے ہمیں مطلق قائم بالذات یعنی واجب الوجود سے آزاد ہونا چاہیے۔کسی مطلق قائم بالذات سے مطلق سچائی نہیں صادر ہوتی۔سب کچھ نسبتی اور اضافی سچ ہے۔ اس کیساتھ ساتھ بڑے بڑے مفکرین نے وجود اور تشخص کے بارے میں سوال اُٹھانا سوالات اُٹھانا شروع کر دیئے۔اور بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ کسی شے کا وجود خارجی نہیں ہے۔اس طرح یہ نظریہ سامنے آیا کہ کوئی شے بھی حقیقی نہیں۔

غیر ایمانداروں کے مسائل

خدا سے آزادی کے دعویٰ نے بہت سارے پیچیدہ مسائل کو جنم دیا ہے۔جو لوگ خدا کا انکار کرتے ہیں اُن کے لیے سب سے پہلا مسئلہ اخلاقیات کا ہے۔اگر شخصی اور نیک خدا موجود نہیں تو کون بنیادی اخلاقیات میں حق و باطل کا تعین کرتا ہے۔ہم شاید یہ تصور کریں کہ حق و باطل

کے امتیاز اور تعین کے لیے کسی بھی ملک یا معاشرے کے عوام والناس کی اکثریتِ رائے اس کا تعین کرتی ہے۔ سارٹرے نے ایک موقع پر کہا کہ ''ہر شخص کو آئین اور اخلاقیات کے لیے مکمل طور پر آزاد ہونا چاہیے''۔ لیکن ہر شخص یہی تصور کرتا ہے کہ اخلاقیات بہت اہم ہے۔ اگر کوئی خود موجود خدا نہیں ہے تو ہم کیوں اخلاقی طور پر سوچتے ہیں؟ جب لوگ سیاستدانوں اور مالیاتی حلقوں میں اخلاقی بگاڑ دیکھتے ہیں تو بہت غضبناک و برہم ہوتے ہیں۔ لیکن کیوں؟ جبکہ ہر شخص اس طرح جیتا ہے جیسے کوئی حق و باطل کا لاتبدیل آئین موجود ہے۔ لیکن ہر شخص یہی تصور کرتا ہے کہ وہ خود اپنی اخلاقیات کا بانی ہے۔ بے شک ہر شخص اس بات پر متفق ہے کہ مہربانی اچھی اور ظلم بُری چیز ہے لیکن لوگ کیوں ایسا سوچتے ہیں۔ کیا ہم اپنے اندر خدا کی اخلاقیات کے بارے میں حق و باطل کے آئین کو محسوس نہیں کرتے؟

دوسرا مسئلہ کائنات میں ایک مفہوم تلاش کرنے کا ہے۔ اگر کوئی شخص اور ذی شعور خدا نہیں ہے تو یہ ساری کائنات بھی لاشخصی اور غیر منطقی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کائنات کا کوئی منصوبہ ومقصد نہیں۔ جب کائنات کا کوئی منصوبہ ومقصد نہیں ہے تو اس کے کوئی معنی بھی نہیں ہیں۔ اس طرح انفرادی اشیا اور اشخاص بھی بے مقصد و بے معنی ہیں۔ کیوں؟ پھر کیوں ہم سچائی کے مقصد اور مفہوم کی تلاش کرتے ہیں؟ انسانی دماغ کی خلقی ساخت کچھ ایسی ہے کہ وہ ہمیشہ مختلف اشیا کے مفہوم ومقصد کا متلاشی رہتا ہے۔

جب ہم خدا کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو اس کے علاوہ بھی ہم اور بہت سے مسائل کا سامنا کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم صرف ایک اور مسئلے کا ذکر یں گے۔ اگر موجودہ دُنیا کی ساخت و ترکیب بے سوچے سمجھے ارتقا کا نتیجہ ہے تو کائنات کسی بھی وقت بے محل اور تبدیل وتباہ ہوسکتی ہے۔ فلاسفر ہیوم (Hume) نے ایک دفعہ یوں کہا: ''ہمیں کوئی علم اور یقین نہیں کہ اگلا لمحہ کیا ہوسکتا ہے۔ کیا اگلا دن بھی ہوگا نہیں۔ یہ دُنیا مکمل طور پر وہمی لہروں کی طرح ہے''۔

اگر احتمالیات (اتفاقیات) کائنات کا خالق ہے تو پھر یہ کائنات لاشخصی اور محبت سے خالی ہونی چاہیے۔ کیا یہ اتفاق ہے کہ ایک امیر انسان غریب اور مضبوط انسان کمزور ہو جائے۔ اگر سب کچھ اتفاق ہے تو ہم نہیں جانتے کہ ظالم مقدر ہماری صحت، دولت اور عزیز چھین لے۔ ایسی

حالت میں ہم بے سمجھ اور بے حس ارتقا کے رحم وکرم پر نا اُمیدی کا شکار ہوں گے۔ اور ایسی حالت میں ہمارا اس کائنات میں جینا محال ہو جائے گا۔ یہ خدا کا انکار کرنے کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اور یہ مسئلہ ہمیں بے حس اور بے معنی و مایوس کائنات میں تنہا چھوڑ دیتا ہے۔

خدا پر ایمان

برطانیہ کے ایک عظیم فلاسفر اور مدبر فرانسیس بیکن نے ایک دفعہ کہا: ''اگر فلسفلے کا تھوڑا سا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دہریت کی طرف راغب ہوں گے اور اگر ہم اس کا گہرا مطالعہ کریں گے تو یہ ہماری رہنمائی ایمان کی جانب کریگا۔'' (Monsma, 59)۔ دُنیا کا ایک بہت بڑا ماہر طبعیات لارڈ کیلونؔ (Lord Kelvin) یوں کہتا ہے: ''اگر آپ ایک مضبوط سوچ رکھتے ہیں تو سائنس آپ کو خدا پر ایمان لانے پر مجبور کر دے گا۔ کارنل یونیورسٹی کے ڈاکٹر جان کوتھران بھی لارڈ کیلون کے ساتھ مکمل طور پر متفق ہے (Monsma, 37)۔ اگر ہمارے ذہن میں کوئی بدگمانی نہ ہوتی تو ضرور ہے کہ فطری دنیا خدا پر ایمان لانے کے لیے ہماری رہنمائی کرتی۔

خدا پر ایمان لانا اس زندگی کے مشکل ترین مسائل کے حل کا آسان ترین طریقہ ہے۔ اور حقیقت میں ان مسائل کا یہ واحد رستہ بھی ہے۔ اس دُنیا میں ہم آہنگی اور اس کے حقیقی مفہوم کو پانے کا کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہم آہنگی، زندگی کی اخلاقی بنیاد، زندگی کا مطلب، خاطر جمعی اور اُمید خدا کے علاوہ کوئی اور بخش نہیں سکتا۔ کلام مقدس بیان کرتا ہے کہ خدا حقیقت میں زندہ ہے اور حاکمیت کرتا ہے۔ اور اُس نے نبیوں اور اپنے بیٹے کے ذریعے ہم سے کلام کیا۔ اسطرح اُس نے ہم پر زندگی کا مفہوم اور مقصد منکشف کر دیا۔ اور یہ سب باتیں کلام مقدس میں واضح ہیں۔ اس میں خدا ہم پر ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہم سے کس قدر گہری محبت رکھتا ہے اس لیے اُس نے اپنے بیٹے کو ہمارے لیے منجی بنا کر بھیج دیا۔ اور جو کوئی اُس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔ خدا نے اپنی عجیب محبت میں ہم سے کہا کہ ہم کون ہیں اور وہ کیا ہے اور اُس سے رفاقت رکھنے کے لیے کیا ضروری ہے؟ وہ ہمیں کلام مقدس کا مطالعہ کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ اس لئے ہم سب دُعا کے ساتھ اور سچے دل سے اُس کا کلام پڑھیں اور حقیقی زندگی جیئں۔

نظرِثانی اور مباحثہ کے لئے سوالات

۱) یونانی فلاسفروں کے لیے کائنات کی ہم آہنگی کی تلاش کرنے کے لیے کیا مسائل تھے؟

۲) کائنات کی بنیادی ہم آہنگی کہاں پر پائی جاتی ہے اور بڑے بڑے سائنسدانوں نے اپنے تصورِپیش از وقوع میں کیا کہا؟

۳) عصر حاضر کے انسان نے اس مقدمہ کو کس طرح رد کیا ہے؟

۴) وہ لوگ جو خدا کا انکار کرتے ہیں وہ کونسے مسائل کا شکار ہوتے ہیں؟

۴) اگر ہم خدا اور اُس کے آئین و احکام کو رد کرتے ہیں تو ہماری اخلاقیات کس قسم کی ہوگی؟

۵) اخلاقی اقدار کی نسبت سے کیا ہم اکثریت کی آمریت کو قبول کر سکتے ہیں؟

۶) اگر کوئی خالق و مالک نہیں تو ہم زندگی کے مقصد و مفہوم کے کیا امکان دیکھ سکیں ہیں؟ اور کیا ہم غیر شخصی اور غیر منطقی دُنیا میں جی سکتے ہیں؟

۷) ایک مکمل غیر شخصی اور غیر منطقی دُنیا میں آپ کیسے جان سکتے ہیں کہ آپ کون ہیں اور آپ کی زندگی کا کیا مقصد اور آپ کی محبت کا کیا سرچشمہ ہے؟ اور ہمارا مستقبل کیا ہے؟

۸) لوگوں کو مطلق خدا کی پہچان اور احساس کے لیے کونسی شے روکتی ہے؟

۹) بائبل مقدس کے علاوہ اس کائنات میں خدا بطور مطلق خالق اور حاکم کے لیے کیا شہادت میسر ہے۔

۱۰) کلام مقدس میں خدا کے بارے میں کونسی عجیب باتیں موجود ہیں؟

چھٹا باب

اخلاقیات کیوں ہیں؟

ہم نے گذشتہ باب میں چند ایسے مسائل کی طرف اشارہ کیا ہے جو خدا کا انکار کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ بہت سارے لوگ خیال کرتے ہیں کہ خدا کے بغیر زندگی گزارنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اُن کے خیال میں جو لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہیں وہ بھی تو مسائل کا شکار ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت نہیں ہے۔ بے شک جو لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہیں وہ مختلف مسائل کا سامنا کرتے ہیں لیکن جو لوگ خدا کے انکاری ہیں اُن کے مسائل بہت ہی خوفناک ہیں۔ ایسے لوگوں کا سب سے بڑا اور نا قابلِ حل مسئلہ تو خدا کے بغیر زندگی ہے۔ اور اسی طرح ایک مشکل مسئلہ اخلاق کا ہے۔ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ حق و باطل کا تعین کرنے کے لیے کوئی خدا موجود نہیں ہے اور ہم یہ بھی تصور کریں کہ ہماری زندگی کے اختتام پر کوئی منصف نہیں جو نیک و بد کا بدلہ دے گا تو پھر اس دُنیا میں اخلاقیات کی کوئی بنیاد نہیں۔ بے شک عملی طور پر ہم کسی معاشرے کے اخلاقی اصول تو قبول کر سکتے ہیں لیکن ہمیں اس بات کی یقین دہانی نہیں کہ یہ معاشرہ ٹھیک بھی ہے۔ اس لیے ہمارے پاس نیک و بد کی پہچان کے لیے معاشرتی بنیاد نہیں ہو سکتی۔

تصوراتِ اشتمالیت اور مابعد جدیدیت

سوویت یونین کی تباہی اور چائنہ کی معیشت کے فروغ بعد شاید ایسا محسوس ہو کہ اشتمالیت یا اشتراکیت کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ لیکن بنیادی اشتمالی سوچ عصر حاضر میں بھی زندہ ہے۔ اس کی سب سے بنیادی مثال دُنیا کی مادہ پرستی ہے۔ دُنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جو مادہ نہ ہو۔ یہ سوچ مذہبِ انسانیت (انسانی پسندی) کے فلسفہ کی طرف راغب کرتی ہے جس کے مطابق اس دُنیا میں کسی خدا اور کسی روح کا عمل دخل نہیں ہے بلکہ سب کچھ انسان ہی سر انجام دیتا ہے۔

اشتمالیت پسند اور مابعد جدیدیت کی سوچ دونوں اس دُنیا میں مطلق اور قطعی اخلاقیات کے اصول نہیں ہیں ۔ ایسے نظریات کے مطابق اخلاقیات اضافتی ہونے کی وجہ سے ہمیشہ تبدیل ہو جاتی ہے۔ یعنی جو کچھ اشتمالیت کے لئے اچھا ہے وہ اچھا ہے لیکن جو اس کے لیے اچھا نہیں وہ اچھائی نہیں ہے۔ اسی طرح مابعد جدید دور کے لوگ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے لیے اچھا ہے وہ اچھائی ہے اور جو ہمارے لیے اچھا نہیں وہ اچھائی نہیں ہوسکتی۔ اصل میں یہ اخلاقیات کا بگاڑ ہے۔ جب اشتمالیت کے بنیادی تصوارت نظریہ ارتقا کی بنیاد پر ہونگے تو ایسے میں انسان کو محض حیوانِ ناطق تصور کیا جائے گا۔ اس لیے انہوں نے انسان کے اصل رتبہ کو نہ سمجھا اور کئی ایک ممالک میں لاکھوں لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ اسی طرح عصر حاضر کی دنیا میں بھی انسانی زندگی کو قدر و منزلت سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس لیے آج کے دور میں اسقاط حمل کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔ یوں ہم دیکھتے ہیں امریکہ میں کئی ہزار لاکھ بچے پیدا ہونے سے پہلے ہی مار دیئے جاتے ہیں۔ یہ صرف ان ننھے بچوں سے زندگی کا حق ہی نہیں چھینتے بلکہ یہ ایسے والدین جن کے بچے مرتے ہیں اُنکو ایک ناقابل بیان دکھ بھی پہنچاتے ہیں۔ مطلق اخلاقیات کے بغیر جھوٹ، خیانت، غیبت، تخریب کاری، قتل و غارت اور بہت سی برائیاں انسان کے لیے مختلف مصائب و آلام پیدا کرتی ہیں۔

واقعاتی اخلاقیات

واقعاتی اخلاقیات عصر حاضر میں بہت مشہور ہے۔ بہت سارے لوگ یہ کہتے ہیں حق و باطل کے امتیاز کے لیے کوئی مطلق اخلاقی معیار نہیں ہے۔ واقعاتی اخلاقیات کے حامل لوگ کہتے ہیں کہ مختلف ممالک میں مختلف رسم و رواج موجود ہیں۔ جب آپ روم میں ہیں تو رومی عوام الناس کی طرح رہیں۔ اور کسی اور دوسرے ملک میں ہیں تو وہاں کے اصولوں کے مطابق رہیں۔ اگرچہ آپ کھانے کی میز کی اخلاقیات پر تو متفق ہو جائیں گے لیکن راستی اور ناراستی، جنس یا جنسی خواہش اور زندگی اور موت جیسے معاملات میں ہر ملک و معاشرے کی اپنی اپنی اخلاقیات نہیں ہوتیں۔ آج شاید اور زیادہ لوگ کہتے ہیں کہ جو چیز اُن کے لئے ٹھیک وہ ٹھیک اور جو اُن کے لیے غلط وہ غلط ہے۔ ہر ایک شخص اپنے اخلاق کا مالک بن گیا ہے۔ اس لیے وہ کہتا ہے کہ اگر مَیں کسی شے کو جائز

سمجھتا ہوں تو وہ جائز ہے اور اگر مَیں کسی شے کو ناجائز سمجھتا ہوں تو وہ ناجائز و ناراست ہے۔ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ اخلاقیات کا کوئی عالمگیر معیار نہیں جس کے تحت ہم حق و باطل اور جائز و ناجائز کا فیصلہ کر سکیں۔ لیکن حیرت کی بات یہ کہ ایسے لوگوں کو آپ اکثر احتجاج کرتے اور کہتے دیکھیں گے کہ یہ چیز یا وہ چیز ٹھیک نہیں ہے اس میں تبدیلی ہونی چاہیے۔

مسائل

اگر کوئی خدا نہیں اور یہ دُنیا حادثاتی طور پر وجود میں آئی ہے تو ہم اچھے اور بُرے اور درست اور غلط کے بارے میں کیوں سوچتے رہتے ہیں۔ آپ کو اکثر لوگ یہ کہتے ہوئے ملیں گے کہ فلاں شے ٹھیک ہے اور فلاں غلط۔ حتیٰ کہ عقیدہ جبریت یعنی کہ انسان فاعلِ مختار نہیں ہے بلکہ اس کے ارادے کا انحصار تقدیری فیصلوں پر ہے اور کرداری نظریہ پر مبنی ہے (Behaviorism) نفسیات بھی محسوس کرتی ہے کہ کوئی شے غلط ہے اور کوئی درست۔ یہ ہمارے اندر پیدائشی و فطری جبلت کی طرح ہے۔ نظریہ ارتقا کے حامی کہیں گے کہ ہم اس نقطہ تک تبدیل ہوئے ہیں جہاں ہماری اندر اخلاقی جبلت پائی جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی حق و باطل کا فیصلہ کن معیار نہیں اور کوئی منصف بھی نہیں جو جزا و سزا دے تو اس حالت میں کسی شخص کے لیے اخلاقی ہونے کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔ ہم اس کائنات کے لیے موزوں نہیں چونکہ ہم تو اخلاقی ہیں اور کائنات اخلاقی نہیں ہے۔ یہ ایک غیر شخصی اور غیر سوچا سمجھا معاملہ ہے نہ کہ اخلاقی امر۔ اس لئے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا اُن کے لیے موزوں نہیں ہے اور وہ اس دُنیا کو بیگانہ تصور کرتے ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر فرانسیس شیفر کا کہنا ہے کہ ''ہماری نسل کا مسئلہ بشمول اخلاقیات کے کائناتی قانونِ قدرت سے اجنبیت کا احساس ہے۔ انسان کے باطن میں اخلاقی جذبات کا احساس پایا جاتا ہے لیکن وہ پھر بھی قانونِ قدرت سے مکمل اجنبیت کا اظہار کرتا ہے۔

دوسرا مسئلہ اتحاد کا ہے۔ اگر اس کائنات میں کوئی لا تبدیل معیار نہیں ہے تو پھر کسی معاشرے میں متفقہ اصول نہیں ہو سکتے۔ اگر اتحاد کا فقدان ہے تو گھروں، سکولوں اور گورنمنٹ میں بھی اتحاد نہیں پایا جا سکتا۔ اور یہ بات ہمیں طوائف الملوکی اور لاقانونیت کی طرف دھکیل سکتی

ہے۔جدید دُنیالا قانونیت کی حالت میں نہیں چل سکتی۔اگرایسا ہوتو پولیس کے پاس قانون پر عمل درآمد کرانے کے لیے کوئی جواز نہیں رہتا۔ایک ڈاکو شاید اتنا ہی صادق ٹھہرے جتنا پیسے جمع کرنے والا شخص۔اگر پولیس کسی کو گرفتار کرتی ہے تو لوگوں کے لیے دھمکی ہوگی اور وہ عوام کی دشمن بن جائے گی۔حقیقت تو یہ ہے کہ اگر مطلق حق و باطل نہیں ہے تو ایسا کوئی اور رستہ نہیں بچتا،بس یہ کہ طاقت کی فرمائروی ہوگی۔جن کے پاس زیادہ طاقت ہوگی وہ اپنے فائدہ کے لیے جیسے چاہے دوسروں پر جابرانہ حکومت جتائیں گے۔

اگرحق و باطل کا کوئی مطلق معیار نہیں ہے تو کوئی عدالت بھی نہیں ہوگی۔پھر ہم اُس دن کی طرف بھی نہیں دیکھیں کہ جس میں برائی کی سزا اور اچھائی کی جزا دے جائے گی۔ہم ایک ایسی دُنیا میں رہتے ہیں جہاں حقیقت میں اچھائی کرنے والوں کے لیے کوئی انعام نہیں اور برائی کرنے والوں کے لیے کوئی سزا نہیں ہے۔کیا ہی حوصلہ شکن حالات ہیں۔کون سچ پر قائم رہے گا۔ایسی غیر معیاری دُنیا میں سائنس بھی ناقابلِ استعمال ہو جاتا ہے۔اگر ہمارے ضمیر کا تعین خارجی حالات کریں گے تو ہم اس کو کیوں اپنائیں گے۔اگر ضمیر کی آواز محض دوستوں اور ٹیلی وژن کے مباحثے ہی ہیں تو اپنے ضمیر پر بھروسہ کرنے کی وجہ ہی نہیں رہتی۔اور ہم ضمیر کی آواز کی نافرمانی پر بھی پریشان نہیں ہوں گے۔اس طرح ہم ایک بے ضمیر نسل اور لاقانون قوم بن جائیں گے۔

خدا کا معیارِ حق و باطل

کلام مقدس کا نقطہ نظر غیر معیاری کائنات کے نظریے سے قطعی فرق ہے۔کلام مقدس کا نظریہ ہے کہ ابدی خدا نے اس دُنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب کو پیدا کیا۔اور وہ اس دُنیا پر حاکم ہے اس کی عدالت کرے گا۔خدا جس نے ہمیں پیدا کیا ہے وہ اخلاقی اور لافانی حکمت و طاقت رکھتا ہے۔اُس نے کائنات کے فطری ضابطوں کا ہی تعین نہیں کیا بلکہ ایک مطلق حق و باطل کے معیار کا بھی تعین کر دیا ہے۔اُس نے ہمیں اپنی شبیہ وصورت پر پیدا کر کے ہمارے دلوں پر اپنے آئین نقش کر دیے ہیں۔اس لیے ہم اعلیٰ ظرف اور اخلاقی تشخص کی وجہ سے اس کائنات میں موزوں حیثیت رکھتے ہیں۔یہ کائنات ہمارے گھر کی طرح ہے جہاں ہر شخص حق و باطل کی ذمہ

داری قبول کرتا ہے۔اس دُنیا میں خدا کی تخلیق اور زندگی ہمارے لیے با مقصد ہے۔

اپنے کلام مقدس میں خدا واضح کر دیتا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ اور حق و باطل کا یہ معیار خدا کی اپنی راست ذات سے نکلتا ہے۔ خدا نے دس احکامات میں حق و باطل کو منکشف کر دیا اور بقیہ بائبل میں ان کی وضاحت کر دی ہے۔ خلاصہ کے طور پر خدا کہتا ہے: ''خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے۔ اور دوسرا اسکی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔'' انہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیا کے صحیفوں محیط ہیں۔ (متی 22 باب 37 تا 39 آیات)۔ خدا کوئی شے غیر واضح نہیں چھوڑتا کہ ہم اندازہ لگاتے پھریں کہ حقیقی محبت کیا ہے بلکہ اپنے کلام میں ہر ضروری بات کی وضاحت کر دیتا ہے۔

اس طرح خدا ہمیں زندگی کے اصول و معیار سکھاتا ہے۔ وہ ہمارے ضمیر کی بنیاد رکھتا ہے تاکہ وہ مفید اور با مقصد ہو۔ وہ ہمیں حق و باطل کا علم بخشتا ہے تاکہ ہم قانون بنا سکیں۔ وہ ہمیں مناسب پولیس کی کاروائی کے لیے اختیار بخشتا ہے۔ وہ ہمیں یہ اُمید بھی بخشتا ہے کہ ہم اچھائی کریں اور ہمارے اندر برائی کا خوف بھی پیدا کرتا ہے۔ اس طرح خدا زندگی کو با مقصد اور قابلِ احساس بناتا ہے۔

خوف کا مسئلہ

لیکن کیا اس میں دُنیا بہت زیادہ خوف ایک مسئلہ نہیں ہے؟ کیا لوگوں کو یہ خوف نہیں کہ خدا ان کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرے گا۔ کیا ہمارا ضمیر ہمیں ملامت نہیں کرتا اور ہمیں مفلوک الحال نہیں بناتا؟ ہاں ایسا ہے شاید بدکاروں کے لیے ہو کیونکہ ان کا ضمیر شاید خدا کی سخت عدالت کو الزام دیتا ہے۔ لیکن مسئلہ خدا کی غلطی نہیں ہے۔ مسئلہ حقیقت میں یا تو ہمارے بدکار ہونے کا ہے یا پھر ہم خدا کو جانتے ہی نہیں۔ شاید اس میں دونوں پہلو شامل ہیں۔ اصل مسئلہ گناہ کا ہے جو خدا کے احکامات کی نافرمانی پر اُکساتا ہے۔ خدا کا معیار کامل ہے۔ ہم نے خدا کے احکامات کو بہت دفعہ توڑا ہے۔ اس لیے ہم اپنے ضمیر میں خدا کی سزا کے خوف کا درد محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اس درد

کے علاج کے لیے خدا سے دور بھاگنا مستند نسخہ نہیں ہوگا اور اصل بات تو یہ ہے کہ کوئی شخص بھی خدا کی عدالت سے دور نہیں بھاگ سکتا۔

خدا صرف احکام دینے والا نہیں ہے بلکہ وہ محبت کرنے والا منجی بھی ہے۔ اُس نے ہمیں صرف گناہ کی مزدوری موت سے ہی خبر دار نہیں کیا بلکہ اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ وہ ہمارے گناہوں کے لیے صلیب پر جان دے۔ دوسرے الفاظ میں خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا کہ وہ ہماری خاطر شریعت کی مکمل تعمیل و تکمیل کرے اور دوبارہ جی اُٹھنے کے وسیلہ سے آسمان پر ہماری شفاعت کرے۔ ہم نے اکثر خدا کے آئین کو توڑا ہے اور مسیح نے ہمارے گناہ اپنے اُوپر لے کر ہمیں گناہ کی قید سے چھڑایا ہے۔ بائبل اس کو یوں بیان کرتی ہے: ''جو مسیح ہمارے لیے لعنتی بنا اُس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔'' (گلتیوں 3 باب 13 آیت)۔ اسی ضمن میں ایک اور حوالہ یوں ہے: ''کیونکہ گناہ کی مزدوری موت ہے مگر خدا کی بخشش ہمارے خداوند مسیح یسوع میں ہمیشہ کی زندگی ہے۔'' (رومیوں 6 باب 23 آیت)۔ اور ایک بار پھر ہمیں بتایا گیا ہے کہ: ''اس لیے کہ مسیح نے بھی یعنی راستباز نے ناراستوں کے لیے گناہوں کے باعث ایک بار دُکھ اُٹھایا تاکہ ہم کو خدا کے پاس پہنچائے۔ جو جسم کے اعتبار سے تو مارا گیا لیکن روح کے اعتبار سے زندہ کیا گیا۔'' (1۔ پطرس 3 باب 18 آیت)۔

خدا نے ہمیں اپنی شریعت دی جو کہ حق و باطل کے امتیاز کے لیے مطلق معیار ہے۔ اگر ہم اس شریعت کو بھول جاتے یا چھوڑ دیتے ہیں تو ہم زندگی کے معنی بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہم گہری تاریکی میں رہتے ہیں جہاں خدا کی عدالت کا خوف ہمیں گھیر لیتا ہے۔ اس لیے ہمیں خدا کے آئین کو نہیں توڑنا چاہیے۔

اور اگر ہم صرف خدا کی شریعت کو تھامے رکھتے ہیں تو سزا کے خوف سے جان کنی کے عالم میں ہوتے ہیں۔ ہمیں یہاں رُک نہیں جانا چاہیے؟ ہمیں اس سے آگے بڑھنا چاہیے تاکہ ہم مسیح یسوع میں خدا کی محبت کو بھی جانیں۔ ہمیں اس بات کو بھی جاننے کی ضرورت ہے کہ خدا کی ذات میں صرف انصاف ہی نہیں بلکہ رحم بھی ہے۔ خدا نے ہماری سمجھ سے بالاتر محبت ہم پر اپنے

بیٹے کے ذریعے نچھاور کی ہے۔ خدا ہمیں بتاتا ہے کہ اگر ہم اُس کے بیٹے پر ایمان لاتے، اُس کو خداوند مانتے اور ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں تو ہم اُس کے فرزند ٹھہر جاتے ہیں۔ اور وہ ہمارے گناہ معاف کر کے ہمیں حقیقی اطمینان بخشتا ہے۔ وہ ہمیں اپنی فرزندیت میں لے کر ہمارے دلوں کو نیا بناتا ہے تاکہ ہم اُس کی خدمت کے مشتاق و متمنی ہوں۔ اور بطور خدا کے فرزند مسیح میں ہماری نئی زندگی محبت، فرمانبرداری، اُمید اور مسرت سے بھرپور ہو جاتی ہے۔ یہ تو صرف ابتدائی مرحلہ ہے وہ ہمیں ہمیشہ کی زندگی بھی دے گا۔ ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ مسیح یسوع پر ایمان لا کر خدا کو درست طور پر جانیں۔ اور مسیح میں معافی حاصل کر کے بذریعہ فضل محبت اور اُمید کی زندگی گزاریں۔ ''کیونکہ خدا نے ہم سے ایسی محبت رکھی کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اُس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔'' (یوحنا 3 باب 16 آیت)۔

نظرِثانی اور مباحثہ کے لئے سوالات

۱) مشکل ترین مسائل کا سامنا کون کرتا ہے وہ جو خدا کی عطا کردہ اخلاقیات رکھتے ہیں یا پھر وہ جو انسانی اخلاقیات کے قائل ہیں۔

۲) واقعاتی اخلاقیات ہمیشہ تبدیل ہو سکتی ہے جو انفرادی طور پر یا گورنمنٹ کی طرف سے لاگو ہوتی ہے۔ کیا واقعاتی اخلاقیات بے انصافی کا سبب ہے۔

۳) اگر کوئی شخص حق و باطل کا نظریہ رکھتا ہے لیکن اگر لوگ کہیں کہ ایک لاتبدیل آئین یا منصف نہیں ہے تو ایسی سوچ کی کیا وجہ ہے؟ دیکھیں رومیوں 2 باب 14 تا 16 آیات۔

۴) دُنیا میں جہاں بھی حق و باطل کے لیے مطلق معیار نہیں تو وہاں معاشرتی عمل میں ہم آہنگی کا کیا معیار ہو گا؟

۵) اگر کوئی اخلاقی آئین نہ ہو تو کس قسم کی الجھن پیدا ہو سکتی ہے؟

۶) مسیحیوں کا خدا کی عدالت اور اخلاقیات کا نقطہ نظر کیا ہے؟

۷) وہ کون سے آئین ہیں جن کی فرمانبرادری خدا ہم سے چاہتا ہے؟ (دیکھیں متی

22باب 37 تا 39 آیات)۔

۸) خدا کے حکم کی عدولی کے قطعی نتائج کیا ہیں؟

۹) خدا نے گناہ کی وجہ سے پیدا ہونے والے ضمیر کے دُکھ کو دور کرنے کے لیے کیا کیا ہے؟

۱۰) مسیح یسوع پر ایمان لانے والوں کے لیے خُدا کونسی روحانی برکات کا وعدہ کرتا ہے؟

ساتواں باب

کیا ہم حقیقی محبت کو جانتے ہیں

جاپان کے ایک نوجوان نے امریکہ کی لڑکی سے کہا کہ دُنیا میں سب سے اہم چیز کیا ہے؟ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اُس لڑکی نے جواب میں کہا بے شک محبت دُنیا کی سب سے اہم چیز ہے۔ بہت سارے لوگ شاید اُس دوشیزہ کے ساتھ متفق ہوں۔ بہت ساری اشیا پیسہ، تعلیم، خوراک، صحت اور شہرت بھی اہم ہیں۔لیکن کبھی آپ نے محبت سے خالی دُنیا کا تصور کیا ہے۔فرض کریں آپ کا گھر محبت سے خالی ہو اور جب آپ گھر پر ہوں تو آپ کو کوئی سلام تک نہ کرے، کوئی شفقت نہ ہو اور ایک دوسرے کی جانب مدد کا کوئی رویہ نہ ہو اور ایک دوسرے سے گفتگو کرنے میں کوئی لطف نہ ہو۔صرف بدگمانی، خودغرضی اور تصادم ہی ہو۔اور فرض کریں کہ آپ کا سکول یا پھر آپ کے کام کا مقام بھی ایسا ہی ہو تو کیا ہو گا۔اور فرض کریں کہ آپ جہاں کہیں بھی جائیں یا جس کسی سے بھی ملیں تو آپ دشمنوں کے درمیان ہوں ایسی زندگی کیسی تکلیف دہ ہو گی۔

اگر ہماری سوچ اور زندگی نظریہ ارتقا کے وعدوں کی بنیاد پر ہو تو ہمارے پاس محبت کی دُنیا تعمیر کرنے کے لیے اچھی بنیادیں نہیں ہوں گی۔ارتقا کا مضمون محبت کی بجائے مسلسل تصادم کے بارے میں بتاتا ہے۔اس نظریہ کے برعکس آپ کو پرندے اور جانور بھی اپنے جنسی ساتھیوں اور بچوں سے محبت کرتے نظر آتے ہیں۔ایسے فلاسفر جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے وہ محبت کو زندگی کی روح تصور نہیں کرتے اور کیسے محبت کو رد کرتے ہیں اس پر ایرک فروم (Erich Fromm) نطشے کی سوچ کا خلاصہ یوں بیان کرتا ہے۔

''نطشے محبت اور ایثار کو کھلم کھلا الزام دیتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ کمزوری اور تردید کا اظہار ہے۔نائی ٹزخ کے لیے محبت کی جستجو ایسی ہی ہے جیسے ایک غلام اپنی خواہشات کی جنگ نہ کرے

اور محبت میں مبتلا ہو جائے۔ ایثار اور محبت انسان کے لیے ذلت کا نشان بن گئے ہیں" (124)
عصر حاضر کا فلاسفر سارٹرے بھی انسانی وجود اور جذبات کو شدید انفرادی طور پر پیش کرتا ہے۔ اُس کی تصنیف بعنوان "میرا ہمسایہ جہنم ہے" میں وہ اکثر محبت و ایثار کی مخالفت کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔ اے یو۔ زوڈیما (S.U. Zuidema) سارٹرے کے نقطہ نظر کا خلاصہ یوں بیان کرتا ہے: "نہ ہی تو مذہبِ انسانیت اور نہ ہی مسیحیت اپنے ہمسایہ کے لیے محبت کا بقیہ پا سکیں گے۔ جو کہ انسانی وجود و جذبات کی سوچ رکھنے والوں کے دائرہ نظر سے بہت دور ہے۔" (42)۔

خدا کا انکار کرنے والے لوگ اکثر بہت ظالم بن جاتے ہیں۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ ہٹلر نے یہودیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا اور روسی اشتمالیت یا اشراکیت پسند لوگوں کے سنگدل رویہ بھی ہم خوب جانتے ہیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب ہم خدا کو رد کرتے ہیں تو کس طرح محبت سے خالی ہو جاتے ہیں۔

محبت کیا ہے؟

کیا ہم جانتے ہیں کہ محبت کیا ہے؟ دُنیا نے لفظ محبت کو کئی طریقوں سے پیش کیا ہے جو کہ ہمارے لیے محبت کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے میں مشکل پیدا کرتا ہے۔ کچھ لوگوں کے لیے محبت اور جنسی تعلق ایک ہی بات ہے۔ کچھ لوگ آزاد محبت کی بات کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگوں کے خیال میں محبت دوسروں کے بارے میں نیک احساسات کا نام ہے۔ اور بعض محبت کا بہت مختلف مفہوم بتاتے ہیں۔ مَیں نے ایک دفعہ ایک نوجوان کے بارے میں بڑی دلچسپ کہانی پڑھی جس نے ایک امیر شخص کے گھر کو لوٹا۔ جب وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تو اُس نے اپنے دفاع میں یہ کہا کہ وہ حقیقی طور پر امیر لوگوں سے محبت کرتا ہے اور ان کی بھلائی کے لیے کام کرتا ہے۔ اُس نوجوان نے کہا کہ یہ گھر بہت امیر تھا اور ان کی دولت ان کے کرادر کو تباہ کر رہی تھی۔ اس لیے ان کو لوٹنے سے مَیں ان کی بھلائی کا کام ادا کرنا چاہتا تھا۔ کیا یہ حقیقت ہے؟ کیا یہ محبت ہے؟ کیا ہم خدا کے کلام یعنی بائبل مقدس کے بغیر حقیقی محبت کو جان سکتے ہیں؟ دُنیا محبت کے بارے میں صدیوں سے باتیں کر رہی ہے لیکن محبت کے بارے اور زیادہ الجھن کا شکار ہو رہی ہے۔ بائبل مقدس محبت کی تعریف بڑے

اختصار کے ساتھ 1۔کرنتھیوں 13باب 4 تا7 آیات میں پیش کرتی ہے۔:"محبت صابر ہے اور مہربان۔محبت حسد نہیں کرتی۔محبت شیخی نہیں مارتی اور پھولتی نہیں۔ نازیبا کام نہیں کرتی۔اپنی بہتری نہیں چاہتی۔جھنجھلاتی نہیں۔بدگمانی نہیں کرتی۔ بدکاری سے خوش نہیں ہوتی بلکہ راستی سے خوش ہوتی ہے۔سب کچھ سہہ لیتی ہے۔سب کچھ یقین کرتی ہے سب باتوں کی اُمید رکھتی ہے۔ سب باتوں کی برداشت کرتی ہے۔"

کلام مقدس کے مطابق محبت سطحی جذبات کی بجائے سچائی اور راستبازی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔مزید برآں!لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا لوگوں کے متعلق جذبات رکھنے سے زیادہ مرکزی ہے۔بے شک یہ دونوں پہلو اہم ہیں۔

محبت اور آئین

اکثر محبت کو آئین سے متضاد اور متصادم پیش کیا جاتا ہے۔ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ دوسروں سے محبت کرتے ہیں تو آپ کو آئین کی ضرورت نہیں ہے۔آئین یا قانون سخت، بے رحم اور سرد مہر لگتا ہے جبکہ محبت سلیم الطبع، ملائم، ہمدرد اور گرم گوشہ ہوتی ہے۔تاہم کیا یہ ایسے ہی سادہ ہے؟ جب لوگ دوسروں کو نقصان پہنچاتے ہیں تو کیا قانون کو اس کی مزاحمت نہیں کرنی چاہیے؟اگر ہم ایسے آئین کو جانتے ہیں جو کہتا ہے کہ "کسی کا خون نہ کرنا اور تو چوری نہ کرنا" تو ہم دوسروں کو قطعی طور پر نقصان نہیں پہنچائیں گے۔کلام مقدس میں ہم پڑھتے ہیں:"محبت اپنے پڑوسی سے بدی نہیں کرتی۔اس واسطے محبت شریعت کی تعمیل ہے۔"(رومیوں 13باب 10 آیت) ۔خدا کے کلام میں مزکورہ آئین کو جانے بغیر ہم کئی طرح سے الجھن کا شکار ہو جائیں گے کہ محبت کس بات کا تقاضا کرتی ہے؟ خدا کے کلام کے آئین ہمیں محبت کے حقیقی نظریہ کو سمجھنے میں مدد فراہم کرتے ہوتے محبت کی راہ پر گامزن کرتے ہیں۔

محبت کا مصدر و منبع

بے شک اس دُنیا میں کئی طرح کی محبت پائی جاتی ہے۔بچوں کے لیے والدین کی محبت، دوستوں کی محبت اور دیگر اقسام کی محبت۔لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ دُنیا

میں محبت کا بہت فقدان پایا جاتا ہے۔تمام تر مما لک میں ہر ایک خاندان میں، ہر سکول میں اور ہر ایک کمپنی میں بغض و بدگمانی، تصادم، لالچ اور بہت سی محبت متضاد باتیں پائی جاتی ہیں۔جس کے نتیجہ میں انسان خوف، تنہائی، الجھن، آزردگی، عصابی تناؤ اور نا اُمیدی کا شکار رہتا ہے۔انسان کے اندر اگرچہ فطری محبت موجود ہے لیکن آج پھر بھی اُس کے اندر ہیبت ناک طور پر محبت کی کمی پائی جاتی ہے۔کیا ہم اپنے دلوں میں یہ کمی محسوس نہیں کرتے؟ شاید اس دُنیا میں چند ہی محبت کرنے والے لوگ مل سکیں۔

کلام مقدس ہمیں بتاتا ہے محبت کا اصلی منبع و مصدر خود خدا ہے۔جیسا کہ لکھا ہے'' خدا محبت ہے'' (1 یوحنا 4 باب 8 آیت)۔خدا کے دل میں انسان کے لیے نا قابلِ اندازہ محبت موجود ہے۔یہ خدا کا ہی کرم ہے کہ اُس نے ہمیں محبت کرنے والے والدین بخشے۔خدا تمام لوگوں کو کسی نہ کسی حد تک محبت کے جذبہ سے نوازتا ہے۔اپنے فضلِ عام سے خدا نے ہمیں زندگی، صحت، خاندان، دوست اور محبت کرنے والے لوگ دیے۔حتیٰ کہ خدا کی زندہ مخلوق بھی اس محبت میں کسی نہ کسی حد تک شامل ہے۔حقیقتاً ہم خدا کے فضل عام کے ذریعے محبت پانے کے لیے شکرگزار ہیں۔

خدا کی محبت کی پہچان

اگرچہ بہت سارے لوگ اکثر کسی نہ کسی قسم کی محبت کا تجربہ رکھتے ہیں لیکن پھر بھی بہت سارے لوگ خدا کی محبت کو نہیں جانتے۔اُن کے لیے خدا شاید بہت دور اور سخت گیر ہو۔یہ حقیقت ہے کہ خدا برائی کے خلاف بہت سخت ہے۔اور ہم سب نے زندگی میں برے کام کیے ہیں۔اگر ہم اس بات کا شمار کرنا چاہیں کہ ہم نے آج تک کتنی دفعہ اور کتنے لوگوں سے نفرت کی اور کتنی دفعہ لالچ اور غرور کیا تو شاید یہ ہمارے لئے شمار کرنا ممکن نہ ہو۔اس لیے ہم خدا کے پاس جانے سے گھبراتے ہیں کیونکہ وہ برائی کی سخت مخالفت کرتا ہے۔لیکن بائبل ہمیں بتاتی ہے کہ خدا محبت ہے۔ کلام مقدس تو یہاں تک فرماتا ہے کہ خدا نے گنہگاروں سے محبت کی اور اُن کے قریب آ گیا۔ ''محبت اس میں نہیں کہ ہم نے خدا سے محبت کی بلکہ اس میں ہے کہ اُس نے ہم سے محبت کی اور ہمارے گناہوں کے کفارہ کے لیے اپنے بیٹے کو بھیجا۔'' (1۔یوحنا 4 باب 10 آیت)۔یہاں پر

خدا کا کلام کہتا ہے کہ نہ صرف خدا نے محبت کرنے میں پہل کی بلکہ گنہگاروں سے محبت کی۔ اُس نے اپنے بیٹے کو ہمارے گناہوں کے لیے کفارہ بنا کر بھیج دیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مسیح ہماری خاطر اپنی جان کی قربانی دے دیتا ہے۔ اُس نے اپنے اُوپر خدا کا شدید قہر لے کر ہمیں معافی بخشی ہے۔

یہی سچائی کلام مقدس میں بہت سی جگہوں پر بیان کی گئی ہے۔ ''لیکن خدا اپنی محبت کی خوبی ہم پر یوں ظاہر کرتا ہے کہ جب ہم گنہگار ہی تھے تو مسیح ہماری خاطر موا۔'' (رومیوں 5 باب 8 آیت۔)۔ ''کیونکہ خدا نے دُنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تا کہ جو کوئی اُس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔'' (یوحنا 3 باب 16 آیت)۔ اس آیت میں دو باتوں کا خاص ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی بات یہ کہ مسیح ہمیں بچاتا ہے۔ اگر خدا کی بچانے والی محبت اور معافی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں مسیح یسوع پر ایمان لانے کی ضرورت ہے۔

دوسری بات یہ کہ خدا تمام ایمانداروں کو ہمیشہ کی زندگی بخشتا ہے۔ اگر ہم مسیح پر ایمان لا کر خدا کی محبت پا لیتے ہیں تو ہم ہمیشہ کی زندگی بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ ہمارے جسم مردہ نہ ہوں گے لیکن ہماری روحیں ہمیشہ خدا کے ساتھ مبارک حالی میں ہوں گی۔ ہمارے جسم روز قیامت زندہ کیے جائیں گے۔ ''لیکن جتنوں نے اُسے قبول کیا اُس نے اُنہیں خدا کا فرزند بننے کا حق بخشا یعنی اُنہیں جو اُسکے نام پر ایمان لاتے ہیں۔'' (یوحنا 1 باب 12 آیت)۔ یہ وعدہ ہمیں بتاتا ہے کہ وہ سارے لوگ جو مسیح میں ہیں خدا کے فرزند ہیں۔ اس لیے وہ اُس کی محبت، محافظت اور فراہمی حاصل کریں گے۔ خدا اپنی محبت میں بہت ہی فیاض ہے۔ وہ اس محبت کو مفت بخشتا ہے۔ ایسا تحفہ جسے ہم اپنے اچھے کاموں کی وجہ سے نہیں حاصل کرتے۔ اور ایک بار جب ہم یہ تحفہ پا لیتے ہیں تو ہمیں کوئی شے بھی اُس کی محبت سے جُدا نہیں کر سکتی۔ یہی حقیقی محبت ہے۔ مَیں آپ کو کلام مقدس کو پڑھنے کی تلقین کرتا ہوں اور مسیح پر ایمان لائیں جو سچی محبت دیتا ہے جس کا اُس نے وعدہ کیا ہے۔

نظر ثانی اور مباحثہ کے لئے سوالات

۱) نظریہ ارتقا کے حامی نائی ٹرخ اور سارٹرے کے نظریہ محبت میں کیا مشترک باتیں ہیں؟

۲) بہت سارے لوگ محبت کے بارے میں کیا کہتے ہیں اور بائبل اس کے بارے میں کیا بیان کرتی ہے؟

۳) محبت کیسے دس احکامات سے مربوط ہے؟(دیکھیں رومیوں 13 باب 10 آیت)

۴) کیا محبت اس دُنیا میں حادثاتی طور پر آئی؟ اور محبت کی اصل اور منبع کیا ہے؟

۴) خدا اپنی محبت ہم پر کس خاص طریقہ سے ظاہر کرتا ہے؟

۵) خدا کے لیے اپنی محبت کی خاطر اپنے بیٹے کو بھیجنا کیا آسان کام تھا؟

۷) ہم مسیح کی محبت کو کس طرح جانتے اور پاتے ہیں؟(یوحنا 3 باب 16 آیت)

۸) کیا تمام لوگ مسیح پر ایمان لانے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟

۹) مسیح پر کون ایمان لاتا ہے اور اُس سے پیار کرتا ہے؟(یوحنا 5 باب 21 آیت؛ 6 باب 44 تا 45 آیات)

۱۰) مسیح یوحنا کی معرفت سے مسیح پر ایمان لانے والوں کے لیے کن برکات کا وعدہ کرتا ہے؟(یوحنا 1 باب 12 آیت؛ 3 باب 16 آیت، 36 آیت؛ 4 باب 14 آیت؛ 5 باب 24 تا 25 آیات؛ 6 باب 40 آیت)۔

آٹھواں باب

کیا ہم زندگی اور اُمید رکھتے ہیں؟

جینے کے لیے اُمید ناگزیر ہے۔ اگر کسی کی زندگی میں اُمید نہ ہو تو وہ زندگی بے معنی ہوگی۔ ایک طالبعلم اور مشقت کرنے والے کی کوئی اُمید بھری منزل اور مقصد نہ ہو تو وہ کیونکر محنت کے لیے دُکھ اُٹھائے گا۔ کسی بھی قسم کی اُمید کے بغیر انسانی زندگی بے کار ہے۔ اس طرح ایسے انسان کے لیے اخلاقی زندگی کا بھی جواز نہیں رہتا۔ اُس کی خواہش ہوگی اور کہے گا کہ آؤ کھائیں پئیں اور شادی کریں کیونکہ کیا پتہ کہ صبح ہو نہ ہو۔ وہ معاشرے میں ایک طفیلی طور پر اپنی زندگی شراب، عورتوں، گانا بجانا اور منشیات کے حوالا کردے گا۔ امریکہ میں بہت سے نوجوانوں میں اُمید نہیں ہے اس لیے وہ آوارگی کی زندگی گزارتے ہیں۔ ہمارے دور کو ''ویرانی و مایوسی کا دور'' کہا جاتا ہے۔ اگر ہم نئے نغمے سنیں تو ہمیں اِن میں نا اُمیدی اور غصہ کا عنصر واضح پایا جاسکتا ہے۔ اُمید کے بغیر کوئی شخص بھی پُرمسرت زندگی نہیں گزار سکتا۔ جن کے پاس اُمید نہیں ہوتی تو وہ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی تباہ کرسکتے ہیں۔ آج کی دُنیا کا یہ سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

انسان کو کس قسم کی اُمید رکھنا چاہیے؟ ہر شخص کسی نہ کسی قسم کی اُمید یا اُمیدیں رکھتا ہے۔ ایک طالب علم اچھے سکول میں داخلہ اور حصولِ علم کے بعد ایک اچھی ملازمت کی اُمید رکھتا ہے اور ایک نوجوان لڑکا اور لڑکی ایک اچھی بیوی اور خاوند کی اُمید رکھتے ہیں۔ اور ایک ماں اُمید کو ہوتی ہے کہ اُس کا خاندان اچھا مضبوط ہو۔ اور ایک باپ اچھی کمپنی میں اچھا مقام حاصل کرنا چاہتا۔ اور ایک کاروباری شخص زیادہ پیسہ کمانا چاہتا ہے۔ اور ایک اُستاد نیک نامی کی اُمید رکھتا ہے۔ تمام مرد و خواتین ایسی ہی امید رکھتے ہیں۔ لیکن ایسی تمام اُمیدیں وقت کی قید میں جکڑی ہوئی ہیں اور خود غرضی پر مبنی ہیں۔

ایسے لوگ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے مسائل اور زیادہ پیچیدہ ہیں۔ اُن کی اُمیدیں صرف اس دُنیا سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ایسی بہت سے دُنیا مرکوز اُمیدیں مایوسی میں ختم ہو جاتی ہیں۔ اُن کا مقصد پورا نہ ہو اور اگر پورا ہو بھی جائے تو غیر اطمینان بخش ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کوئی طالبعلم اگر اچھے سکول میں داخلہ حاصل نہ کر سکے تو وہ پڑھنا چھوڑ دیتا ہے یا پھر خودکشی کر لیتا ہے۔ ایک بیوفا لڑکا اور لڑکی کی کوئی اُمید نہیں ہوتی۔ کسی ملازم کو کمپنی میں بہتر پوزیشن نہ ملنے پر وہ اعصابی تناؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔ جنگ، قحط، زلزلے، کمزور صحت اور دیگر مسائل شاید ہماری اُمیدوں کو تباہ کر دیں۔ ایک ایسا شخص جس نے صرف اس دُنیا کی چیزوں کی اُمید کی اور اپنی طاقت اور قابلیت پر تکیہ کیا جب اُس کی زندگی میں کوئی ناکامی آتی ہے تو وہ اپنی زندگی کو بے معنی اور ناکام سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ کیا کوئی اس سے بڑھ کر اُمید نہیں ہے؟ کیا کوئی ایسی اُمید ہے جو ہمیں مایوس نہ کرے؟

بہت سارے لوگ کہیں گے ایسی کوئی اُمید نہیں ہے اور خیال کرتے ہیں کہ اس زندگی کے خاتمہ پر ہمیشہ کی زندگی بھی نہیں ہے۔ اُن کے خیال میں زندگی ہر شے کا خاتمہ ہے۔ اس لیے اگر کوئی اُمید ہے تو وہ اس دُنیا میں ہی ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کی جب دُنیاوی اُمید کھو جاتی ہے تو وہ تنہا ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اکثر بڑھاپے میں پہنچ کر غیر اطمینانی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ ایسا کہیں گے کہ زندگی کیا ہے؟ زندگی صرف مشقت اور دُکھ کو برداشت کرنے کا نام ہے۔ جونہی ایسے لوگ زندگی کے آخری مرحلے میں پہنچتے ہیں تو موت کا خوف اُن کے دل و دماغ پر سوار ہو جاتا ہے۔ اُن کی زمینی کامیابی موت کے سامنے اُن کو کوئی مدد فراہم نہیں کر سکتی۔ ایک بوڑھے شخص نے میری بیٹی سے کہا ''میرے لیے اگر کوئی اہم شے ہے تو وہ یہ ہے کہ میں مسکراتے ہوئے مر جاؤں''۔ ایسا کرنے کے لیے اُس کو موت کے بعد زندگی کی اُمید چاہیے۔ موت کے بعد کی اُمید ہی ہمیں خوشی سے موت کو قبول کرنے میں مدد فراہم کر سکتی ہے۔ کیونکہ لوگ موت کے بعد کی اُمید کو ''خوش خیالی اور ''خیالی جنت'' (Pie in the sky) بیان کرتے ہیں۔

لوگ موت کے بعد زندگی کی اُمید کیوں رکھتے ہیں؟

جو لوگ ایماندار نہیں ہوتے وہ موت کے بعد کی زندگی کی کس طرح وضاحت کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خدا پر ایمان نہیں رکھتا اور خدا کے کلام میں آسمان اور دوزخ کا بھی یقین نہیں رکھتا تو وہ تمام ممالک اور قوموں کے مستقبل کی زندگی کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہے؟ کچھ نامور سائنسدان کہتے ہیں کہ ہم جانوروں کے ارتقا کا نتیجہ ہیں لیکن جانوروں کی دُنیا اور انسان کی دُنیا میں ایک عجیب اور بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ اگر ہم قدیم اور موجودہ تاریخ کا مطالعہ کریں تو دیکھتے ہیں کہ ہر جگہ لوگ مذہب، دیوتے اور آنے والی زندگی کی اُمید کرتے ہیں۔ اور کبھی کسی نے جانوروں کا کوئی مذہب نہیں دیکھا ہے اور نہ ہی اُن میں موت کے بعد زندگی کی اُمید پائی جاتی ہے؟ پرانے دور میں اگر کوئی شخص مر جاتا تو امریکن انڈین قبیلے کے لوگ اکثر اُس مردہ شخص کا گھوڑا، ہتھیار اور حتیٰ کہ اُس کی بیوی کو بھی اُس کے ساتھ دفن کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ آنے والی زندگی میں اُس کے ساتھ ہوں۔ چارلس لیونارڈ وولی (Charles Leonard Woolly) نامی ماہر آثار قدیمہ نے اُور (قدیم میسو پتامیہ کا جنوبی علاقہ) کے مقام سے کھدائی کے دوران گڑھوں کو دریافت کیا جس میں، مختلف اقسام کی اشیا موجود تھیں۔ ان گڑھوں میں سے تین میں قبریں تھیں جن میں بادشاہ اور ملکہ کے ساتھ ساتھ اعلیٰ شہنشاہی خاندان کے لوگ دفن کئے گئے تھے۔ ان لوگوں کے عقب میں غلاموں، بربط نواز، آرمی محافظ اور رتھ بانوں کی ہڈیاں دریافت ہوئیں ہیں (Rehwinkel, 47)۔ یہ بہت ہی قدیم لوگ موت کے بعد زندگی کے قائل تھے اس لیے اُن کے ساتھ اُن کے غلاموں کی ہڈیاں بھی پائی گئیں ہیں۔ جاپان میں بہت سارے لوگ بٹسوڈان (butsudan) دیوتا سے اور بہت سے مردوں سے دعائیں کرتے ہیں۔ اس لیے بہت سارے جاپانی موت کو انسان کا اختتام نہیں سمجھتے۔ ماضی میں موت کے بعد زندگی کا بہت مضبوط یقین پایا جاتا تھا۔ اس لیے پوری دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں مختلف لوگ موت کے بعد زندگی پر یقین رکھتے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ جو لوگ خدا اور آسمان کا یقین نہیں رکھتے وہ اس حالت کو کس طرح

بیان کریں گے۔ کیا دُنیا کے سب لوگ ہی کسی وہم وسراب کا شکار ہو کر موت کے بعد زندگی کا یقین رکھتے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو اتنا ٹھوس تاثر کہاں سے آیا۔ انسان کیوں موت کے بعد زندگی کی اُمید کرتا ہے؟

لیکن کچھ لوگوں کے خیال میں ہم سب حیوانِ ناطق ہیں اس لیے ہم سب حیوانوں کی طرح موت پر ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن کیا کبھی آپ نے کسی جانور کی موت پر مذہبی رسومات ادا ہوتے ہوئے دیکھیں ہیں۔ یا آپ نے کسی جانور کر دیکھا ہے جو موت کے بعد زندگی کی تیاری کر رہا ہو یا پھر اُس نے کسی مردہ شخص سے بات چیت کی ہو۔ لیکن پھر انسان ہی کیوں موت کے بعد زندگی کی اُمید رکھتا ہے۔ اگر انسان کے اندر یہ مذہبی شعور ارتقا کا نتیجہ تھا تو یہ شعور مسلسل تغیر کی وجہ سے مٹ کیوں نہیں گیا؟ میرا ایمان ہے کہ موت کے بعد زندگی کی اُمید کا راز بائبل مقدس میں منکشف کیا گیا ہے۔

بائبل مقدس میں لکھا ہے: ''اُس نے ہر ایک چیز کو اُسکے وقت میں خوب بنایا اور اُس نے ابدیت کو بھی اُن کے دل میں جا گزین کیا ہے اس لیے کہ انسان اُس کام کو جو خدا شروع سے آخر تک کرتا ہے دریافت نہیں کر سکتا۔'' (واعظ 3 باب 11 آیت)۔ کلام مقدس کہتا ہے کہ خدا نے انسان کے دل کے اندر ابدیت کو رکھ دیا ہے۔ اس لیے انسان جانوروں کے برعکس یہ جانتا ہے کہ خدا ہے اور موت کے بعد زندگی موجود ہے۔ میرے ایمان کے مطابق موت کے بعد مستقبل کی زندگی کے بارے یہ صحیح وضاحت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک سچائی ہے کہ لوگ موت سے بہت زیادہ خوف زدہ ہیں۔ اگر چہ کچھ لوگ اطمینان سے موت کو قبول کرتے ہیں۔ لیکن بہت سارے لوگ موت کو ایک بہت بڑی آفت تصور کرتے ہیں۔ میں ایک عورت کے خوف کو کبھی بھی نہیں بھول پاؤں گا جو بستر مرگ پر میری آنکھوں کے سامنے مرگئی۔ کیا ہمیں موت کو ایک خوفناک، تاریک اور نا معلوم دُنیا کا دروازہ تصور کرنا چاہیے یا پھر ہمیں اس کو امن اور اُمید کے ساتھ قبول کرنا چاہیے؟

مسیح میں اُمید

کلام مقدس ہمیں آنے والی زندگی کے بارے میں بہت زیادہ معلومات فراہم کرتا ہے۔سب سے پہلے کلام مقدس ہمیں بتاتا ہے موت کے بارے میں انسان کا شدید خوف واجب ہے اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ موت کے بعد عدالت کا عظیم دن موجود ہے۔" کیونکہ ضرور ہے کہ مسیح کے تختِ عدالت کے سامنے جا کر ہم سب کا حال ظاہر کیا جائے تا کہ ہر شخص اپنے کاموں کا بدلہ پائے جو اُس نے بدن کے وسیلہ سے کئے ہوں۔خواہ بھلے ہوں خواہ بُرے۔"(2۔کرنتھیوں 8باب10 آیت)۔تمام تر برائی کی سزا اور ساری اچھائی کے لیے انعام بھی اٹل ہے۔کوئی اچھا یا برا شخص کائنات کے منصف کی یادداشت سے کبھی بھی نہیں بچ سکتا(متی 25باب 31 تا 46 آیات)۔بے شک ہم سب جانتے ہیں کہ ہم نے بہت سے ایسے کام کئے ہیں جو ہم اپنے ہمسایوں کو بتاتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں۔لیکن قادر مطلق خداوند سب کچھ جانتا ہے۔اس لیے ہم موت کو خوشی کے ساتھ کیسے قبول کر سکتے ہیں؟

دوم: کلامِ مقدس ہمیں ایک بڑی خوشخبری دیتا ہے۔اس میں لکھا ہے کہ خدا نے بہت سارے لوگوں کو ازل سے اپنے فرزند ہونے لیے چن لیا ہے۔اور خدا بہت ہی رحیم ہے اس لیے اُس نے اپنا بیٹا اس دُنیا میں بھیج دیا تا کہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور ہمیں فرزندیت کا حق بخش کر ہمیشہ کی زندگی کے وارث بنائے۔" کیونکہ خدا نے دُنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخشدیا تا کہ جو کوئی اُس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔ حانکہ خدا نے بیٹے کو دُنیا میں اس لیے نہیں بھیجا کہ دُنیا پر سزا کا حکم کرے بلکہ اس لیے کہ دُنیا اُس کے وسیلہ سے نجات پائے۔"(یوحنا 3باب 16 تا 17 آیات)۔

مسیح یسوع جس طرح سے ہمیں بچاتا ہے وہ عجیب اور دلچسپ بھی ہے۔کلام مقدس فرماتا ہے کہ مسیح ہمارے گناہوں کے لیے مواء۔اس سے مراد یہ ہے کہ جب مسیح صلیب پر مواء تو وہ اُس کی شکست نہ تھی بلکہ وہ تو اُن لوگوں کے گناہوں کو صلیب پر اُٹھاتا ہے جو دُنیا کے آخر تک اُس پر ایمان لانے والے ہوں گے۔اور ہماری تمام سزا کو اپنے اُوپر لے کر اُس نے ہمیں خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا ہے۔"اس لیے کہ مسیح نے بھی یعنی راستباز نے ناراستوں کے لیے گناہوں کے باعث ایک بار دُکھ اُٹھایا تا کہ ہم کو خدا کے پاس پہنچائے۔وہ جسم کے اعتبار سے تو مارا گیا لیکن روح

کے اعتبار سے زندہ کیا گیا۔"(1 پطرس 3 باب 18 آیت)۔ یہ محبت کا ایم مہیب اظہار ہے۔اس لیےاب ہم اُس کی اس مہیب محبت کا ردعمل بھی ایمان اور محبت سے ظاہر کرتے ہیں۔اور اگر ہم مسیح کی اس محبت کو نہ جانیں تو اس سے مراد ہے کہ ہم مسیح اور خدا کو رد کرتے ہیں۔اور اگر ہم اپنے گناہوں سے توبہ نہ کریں گے تو خدا کے رحم سے محروم ہونے کی وجہ سے مستقبل کی زندگی کی اُمید بھی کھو بیٹھیں گے۔اس حالت میں ہم پر خدا کی عدالت کا خوف چھایا رہے گا۔اور اگر مسیح کی محبت کے ردعمل میں ایمان اور محبت کے ساتھ اُس کی شکرگزاری کریں گے تو مسیح کی بھرپور محبت اور برکات ہمیں دی جائیں گی۔"لیکن جتنوں نے اُسے قبول کیا اُس نے اُنہیں خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا یعنی اُنہیں جواُسکے نام پر ایمان لاتے ہیں۔"(یوحنا 1 باب 12 آیت)۔

مسیح یسوع نے کہا:"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو میرا کلام سنتا ہے اور میرے بھیجنے والا ے کا یقین کرتا ہے ہمیشہ کی زندگی اُس کی ہے اور اُس پر سزا کا حکم نہیں ہوتا۔"(یوحنا 5 باب 24 آیت)۔ یہاں پر مسیح ہم سے زندگی کا وعدہ کرتا ہے۔یہ کبھی نہ ختم ہونے والی یعنی ابدی زندگی ہے۔اور یہ پُر مسرت ابدی زندگی ہے۔یہ زندگی خوف،غم،درد اور موت پر فتح پا سکتی ہے۔یہ زندگی خدا کے ساتھ برکات اور محبت سے بھرپور ہے۔اس ابدی زندگی کی اُمید خدا اُن سب کو دیتا ہے جو مسیح یسوع پر ایمان لاتے ہیں۔مَیں مسیح پر ایمان رکھتا ہوں اور اُمید ہے کہ آپ بھی ایسا ہی کریں گے۔مسیح میں ہم پولس رسول کے ساتھ یوں کہہ سکتے ہیں:"اے موت تیری فتح کہاں رہی؟اے موت تیرا ڈنگ کہاں رہا؟ موت کا ڈنگ گناہ ہے اور گناہ کا زور شریعت ہے۔مگر خدا کا شکر ہے جو ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلہ سے ہم کو فتح بخشتا ہے۔(1 کرنتھیوں 15 باب 55 تا 57 آیات)۔

نظرثانی اور مباحثہ کے لئے سوالات

۱) مناسب زندگی کے لیے اُمید کیوں ناگزیر ہے؟

۲) شاید ہم اس دُنیا میں اُمید رکھتے ہیں لیکن اس زندگی کے بعد کونسی اُمید ہے؟

۳) کیا قدیم لوگوں کی کوئی ایسی مثالیں ہیں جو موت کے بعد زندگی کی طرف اشارہ کرتی ہیں؟

۴) آپ کو مستقبل کی زندگی کے بارے میں کہاں سے معلوم ہوتا ہے؟

۵) واعظ 3 باب 11 آیت سے کیا مراد ہے؟

۶) بہت سے لوگ جو موت کے بعد زندگی پر یقین رکھتے ہیں کیوں خوف میں مبتلا ہوتے ہیں؟(2 کرنتھیوں 5 باب 10)۔

۷) کیا اس خوف سے نجات حاصل کر کے ہم خوشی سے موت کو قبول کر سکتے ہیں؟

۸) اگر ہم مسیح پر ایمان نہ لائیں تو کیا ہم موت کے خوف سے آزاد ہو سکتے ہیں۔

۹) مسیح موت پر فتح پانے کے لیے کیا کہتا ہے؟(دیکھیں یوحنا 5 باب 24 آیت)

۱۰) کیا ہم مسیح کے ذریعے موت اور موت کے خوف پر مکمل فتح پا سکتے ہیں؟(دیکھیں یوحنا 14 باب 1 تا 3 اور 27 آیات؛ 2 کرنتھیوں 15 باب 51 تا 57 آیات)

نواں باب

آپ مسیح یسوع کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟

مسیح یسوع دُنیا میں سب سے اہم اور ممتاز شخصیت ہوا ہے۔ آپ مسیح کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟ آپ اگر خدا پر ایمان نہیں رکھتے تو مسیح کی زندگی کو کیسے بیان کریں گے؟ کیا آپ کے پاس حقیقی جواب ہے یا پھر آپ اس سوال کا جواب دینے سے کتراتے ہیں؟

مسیح یسوع کے اپنے بارے میں دعوے:

مَیں آپ کو مسیح کے بارے میں چند باتیں بتانا چاہتا ہوں۔ مسیح یسوع نے اپنے بارے میں خود اہم دعوے کیے ہیں: ''اُس نے اُن سے کہا تم نیچے کے ہو۔ میں اُوپر کا ہوں۔ تم دُنیا کے ہو۔ مَیں دُنیا کا نہیں ہوں۔'' (یوحنا 8 باب 23 آیت)۔ ''یسوع نے پھر اُن سے مخاطب ہو کر کہا دُنیا کا نور مَیں ہوں۔ جو میری پیروی کریگا وہ اندھیرے میں نہ چلیگا بلکہ زندگی کا نور پائے گا۔'' (یوحنا 8 باب 12 آیت)۔ اور پھر ایک اور جگہ لکھا ہے: ''دروازہ مَیں ہوں اگر کوئی مجھ سے داخل ہو تو نجات پائے گا اور اندر باہر آیا جایا کرے گا اور چارا پائیگا۔'' (یوحنا 10 باب 9 آیت)۔ ''مَیں ہوں وہ زندگی کی روٹی جو آسمان سے اُتری۔ اگر کوئی اس روٹی میں سے کھائے تو ابد تک زندہ رہے گا بلکہ جو روٹی مَیں جہان کی زندگی کے لیے دونگا وہ میرا گوشت ہے'' (یوحنا 6 باب 51 آیت)۔ ''یسوع نے اُس سے کہا کہ راہ اور حق اور زندگی مَیں ہوں۔ کوئی میرے وسیلہ کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا۔'' (یوحنا 14 باب 6 آیت)۔ ''یسوع نے اُس سے کہا قیامت اور زندگی تو مَیں ہوں۔ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے گو وہ مر جائے تو بھی زندہ رہیگا۔ اور جو کوئی زندہ ہے اور مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ ابد تک کبھی بھی نہ مرے گا۔ کیا تو اس پر ایمان رکھتی ہے؟'' (یوحنا 11 باب 25 تا 26 آیات)۔ ''۔۔۔مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر باپ سے کچھ مانگو گے تو وہ میرے نام سے تم کو

دیگا۔ (یوحنا 16 باب 13 آیت)۔ ''مَیں اور باپ ایک ہیں۔'' (یوحنا 10 باب 30 آیت)۔ ''اے محنت اُٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ مَیں تم کو آرام دوں گا۔'' (متی 11 باب 28 آیت)۔ ''یسوع نے کہا ہاں مَیں ہوں اور تم ابن آدم کو قادرِ مطلق کی دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں کے ساتھ آتے دیکھو گے۔'' (مرقس 14 باب 62 آیت)۔ ''کیونکہ باپ کسی کی عدالت نہیں کرتا بلکہ اُس نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے۔ تاکہ سب لوگ بیٹے کی عزت کریں جس طرح باپ کی عزت کرتے ہیں۔'' (یوحنا 5 باب 22 تا 23 آیات)۔

یہ بات حقیقت ہے کہ آج تک دُنیا میں کسی آدمی نے اپنے بارے میں ایسا دعویٰ نہیں کیا جیسا یسوع نے کیا ہے۔ مسیح کے دعوے ایسے مہیب ہیں کہ ہم سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہ کیسا خاص شخص تھا؟ اگر ہم مسیح کے دعووں کا مشاہدہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اُن میں ایک تسلسل ہے۔ مسیح نے ہمیشہ کہا کہ وہ آسمان سے آیا ہے۔ مسیح نے خدا کے اختیار کو اپنا اختیار کہا۔ مسیح نے انسان کو بچانے کی قدرت کا بھی دعویٰ کیا۔

مسیح یسوع کے کام

مزید برآں! ہم اس حقیقت کو بھی خوب جانتے ہیں کہ مسیح محض باتیں کرنے والا نہ تھا بلکہ اُس کے عجیب کام ظاہر کرتے ہیں کہ مسیح بے حد مہیب شخص تھا۔ چاروں اناجیل (متی۔ مرقس، لوقا اور یوحنا) میں مسیح کے عجیب کاموں کے بارے میں ہم پڑھتے ہیں۔ پانچ ہزار سے زیادہ بھوکے لوگوں کے ہجوم کو مسیح نے صرف پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں سے سیر کیا اور بچے ہوئے ٹکروں کے بارہ ٹوکرے جمع کیے۔ (متی 14 باب 15 تا 21 آیت)۔ مسیح اپنے شاگروں کے ساتھ سمندر میں تھا تو ایک خوفناک طوفان آ گیا: ''اُس نے اُٹھ کر ہوا کو ڈانٹا اور پانی سے کہا ساکت ہو! تھم جا! پس ہوا بند ہو گئی اور بڑا امن ہو گیا۔ (مرقس 4 باب 39 آیت)۔ ایک لڑکی جو مر چکی تھی اُس کے عقب میں کھڑے ہو کر کہا''۔۔۔ اے لڑکی میں تجھ سے کہتا ہوں اُٹھ۔ (مرقس 5 باب 41 آیت)۔ اور وہ لڑکی فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔ دس کوڑھیوں نے مسیح سے شفا کی منت کی اور اس نے اُن کو شفا

بخشی (دیکھیں لوقا 17 باب 14 تا 16)۔ مسیح یسوع اپنے تین شاگردوں کے ساتھ پہاڑ پر کھڑا تھا اور اُس کی پوشاک ایسی نورانی اور نہایت سفید ہوگئی کہ دُنیا میں کوئی دھوبی ویسی سفید نہیں کر سکتا (مرقس 9 باب 3 آیت)۔ وہاں پر مسیح نے اپنا آسمانی جلال شاگردوں کو دکھایا تاکہ وہ جانیں کہ وہ حقیقی خدا کا بیٹا ہے۔ مسیح کے معجزات بہت زیادہ ہیں کہ ان تمام کا ذکر نہیں کیا جاسکتا۔ آپ ان تمام معجزات کو اناجیل میں پڑھ سکتے ہیں۔ بہت سی جگہوں پر ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کی ایک بڑی بھیڑ یسوع کے پیچھے آئی اور اُس نے ان تمام کو شفا بخشی۔ (متی 12 باب 15 آیت)۔ دُنیا کا ایسا کوئی مسئلہ نہ تھا جو مسیح حل نہ کر سکتا تھا اور اُس کے لیے کوئی بیماری ایسی نہ تھی جو دور نہ کی جاسکتی تھی۔ حتیٰ کہ مسیح کے دشمنوں نے بھی اُس کے معجزات کا انکار نہ کیا۔ ''اور انہوں نے نہایت ہی حیران ہو کہ کہا جو کچھ اُس نے کیا سب اچھا کیا۔ وہ بہروں کو سننے کی اور گونگوں کو بولنے کی طاقت دیتا تھا۔'' (مرقس 7 باب 37 آیت)۔

مسیح یسوع کی تعلیمات

مسیح کی تعلیمات بہت ہی سنجیدہ تھی۔ مسیح نے سکھایا کہ ہم سب مسائل کا شکار ہیں کیونکہ ہم نے خدا کی شریعت کو رد کیا ہے۔ مسیح نے کہا کہ ہمارے دل برائی سے بھرے ہوئے ہیں۔ ''کیونکہ برے خیال، خونریزیاں، زناکاریاں، حرامکاریاں، چوریاں، جھوٹی گواہیاں۔ بدگوئیاں دل ہی سے نکلتی ہیں۔ یہی باتیں ہیں جو آدمی کو ناپاک کرتی ہیں مگر بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھانا آدمی کو ناپاک نہیں کرتا۔'' (متی 15 باب 19 تا 20 آیات)۔ مسیح نے یہ بھی سکھایا کہ وہ دُنیا کو نجات دینے آیا ہے اور وہ کام اپنی قربانی کے ذریعے کرے گا۔ ''۔۔۔ مَیں اس لیے آیا کہ وہ زندگی پائیں اور کثرت سے پائیں۔'' (یوحنا 10 باب 10 آیت)۔ اور ایک بار پھر وہ کہتا ہے کہ: ''اچھا چرواہا مَیں ہوں۔ اچھا چرواہا بھیڑوں کے لیے اپنی جان دیتا ہے۔'' (یوحنا 10 باب 11 آیت)۔ کئی ایک مواقع پر مسیح نے اپنے شاگردوں کو یروشلیم میں اپنی موت کے بارے میں آگاہ کیا۔ متی 16 باب 21 آیت میں ہم پڑھتے ہیں کہ ''اُس وقت یسوع اپنے شاگردوں پر ظاہر کرنے لگا کہ اُسے ضرور ہے کہ یروشلیم کو جائے اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں کی طرف سے دُکھ اُٹھائے اور

قتل کیا جائے اور تیسرے دن جی اُٹھے۔" مسیح یسوع نے مسلسل اس بات سے آگاہ کیا کہ اُس کی زندگی کوئی اُس سے چھین نہیں رہا تھا بلکہ وہ اپنی مرضی سے اسے قربان کر رہا تھا۔" باپ مجھ سے اس لیے محبت رکھتا ہے کہ مَیں اپنی جان دیتا ہوں تا کہ اُسے پھر لے لوں۔ کوئی اُسے مجھ سے چھینتا نہیں بلکہ مَیں اُسے آپ ہی دیتا ہوں۔ مجھے اُسے دینے کا بھی اختیار ہے اور اُسے پھر لینے کا بھی اختیار ہے۔ یہ حکم میرے باپ سے مجھے ملا ہے۔" (یوحنا 10 باب 17 تا 18 آیات)۔

مسیح نے کہا کہ ہم صرف توبہ کرنے اور اُس پر ایمان لا کر ہی گناہ سے بچ سکتے اور خدا سے میل ملاپ رکھ سکتے ہیں۔" اور کہا کہ وقت پورا ہو گیا ہے اور خدا کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔ توبہ کرو اور خوشخبری پر ایمان لاؤ۔" (مرقس 1 باب 15 آیت)۔"۔۔۔اور پکار کر کہا اگر کوئی پیاسا ہو تو میرے پاس آ کر پیئے۔ جو مجھ پر ایمان لائے گا اُس کے اندر سے جیسا کہ کتاب مقدس میں آیا ہے زندگی کے پانی کی ندیاں جاری ہوں گی۔" (یوحنا 7 باب 37 تا 38 آیات)۔اب یہ واضح ہو گیا ہے کہ مسیح نے ان تمام لوگوں سے ابدی زندگی کا وعدہ کیا جو اُس پر ایمان لاتے ہیں۔

مسیح یسوع کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا

مسیح یسوع جیسا اُس نے اپنے شاگردوں سے کہا تھا یروشلیم کو گیا۔ وہ صلیب پر مواء اور دفن ہوا اور تیسرے دن مردوں میں سے جی اُٹھا۔ شاید آپ کے لیے اس حقیقت کو قبول کرنا آسان کام نہ ہو۔ لیکن اس سے پہلے کہ آپ اس کو رد کریں مسیح کے جی اُٹھنے کے شواہد کا بغور مشاہدہ کریں۔ یہاں پر مسیح کے جی اُٹھنے کے ثبوت کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔" پھر اُسی دن جو ہفتہ کا پہلا دن تھا شام کے وقت جب وہاں کے دروازے جہاں شاگرد تھے یہودیوں کے ڈر سے بند تھے یسوع آ کر بیچ میں کھڑا ہوا اور اُن سے کہا تمہاری سلامتی ہو۔ اور یہ کہہ کر اُس نے اپنے ہاتھوں اور پسلی کو انہیں دکھائے۔ پس شاگرد خداوند کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ یسوع نے پھر اُن سے کہا تمہاری سلامتی ہو! جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے اُسی طرح مَیں بھی تمہیں بھیجتا ہوں۔ (یوحنا 20 باب 19 تا 21 آیات)۔ اگرچہ دس شاگردوں کی گواہی کے باوجود توما جو اُس وقت وہاں موجود نہ تھا اُس نے اس کا یقین نہ کیا کہ مسیح زندہ ہو گیا۔ پس باقی شاگرد اُس سے کہنے لگے کہ ہم نے خداوند کو

دیکھا ہے مگر اُس نے اُن سے کہا جب تک میں اُسکے ہاتھوں میں میخوں کے سوراخ نہ دیکھ لوں اور میخوں کے سوراخوں میں اپنی انگلی نہ ڈال لوں اور اپنا ہاتھ اسکی پسلی میں نہ ڈال لوں ہر گز یقین نہ کرونگا۔“ (یوحنا 20 باب 25 آیت)۔ اور ایک ہفتے کے بعد مسیح نے ایک بار پھر توما پر ظاہر ہو کر اُس سے کہا: ”پھر اُس نے توما سے کہا اپنی انگلی پاس لا کر میرے ہاتھوں کو دیکھ اور اپنا ہاتھ پاس لا کر میری پسلی میں ڈال اور بے اعتقاد نہ ہو بلکہ اعتقاد رکھ۔“ (یوحنا 20 باب 27 آیت)۔ توما نے جواب میں اُس سے کہا اے میرے خداوند! اے میرے خدا! یسوع نے اُس سے کہا تُو تو مجھے دیکھ کر ایمان لایا ہے۔ مبارک وہ ہیں جو بغیر دیکھے ایمان لائے۔“ (یوحنا 20 باب 27 تا 29 آیات)۔ چالیس دن تک مسیح مختلف مواقع پر اپنے شاگردوں کو دکھائی دیتا رہا۔ پولس رسول کہتا ہے کہ پانچ ہزار سے زائد شاگردوں نے ایک دفعہ مسیح کو زندہ دیکھا (دیکھیں 1 کرنتھیوں 15 باب 6 آیت) بعد میں جب شاگرد خود دیکھ رہے تھے تو مسیح آسمان پر اُٹھا لیا گیا (لوقا 24 باب 51 آیت)۔

مسیح کے تین شاگرد جو پہاڑ پر یسوع کے ساتھ تھے (متی، یوحنا، مرقس) انہوں نے بھی اپنی اناجیل میں اس واقعہ کی تصدیق کی ہے۔ مریم کا گھر مسیح کے شاگردوں کے لیے جب وہ یروشلیم میں تھے ایک طرح سے مرکز تھا۔ لوقا جو ایک طبیب تھا اُس نے بھی اس شہادت کو قلمبند کیا اور اس کو رومی افسر بنام تھیفلُس کو لکھا (اعمال 1 باب 1 آیت)۔ پطرس بھی اپنے خط میں مسیح کے جی اُٹھنے اور آسمان پر اُٹھا لیے جانے کے بارے میں رقم کرتا ہے (1 پطرس 3 باب 21 تا 22 آیات)۔

مزید برآں! مسیح کے جی اُٹھنے کے اصل جوہر کو پولس رسول اپنے خطوط میں بیان کرتا ہے۔ وہ ایک عظیم محقق مگر مسیح کو ستانے والا تھا۔ لیکن اُس نے تو شہنشاہوں کے سامنے اس بات کو رکھا کہ مسیح کس طرح دمشق کی راہ میں اُس پر ظاہر ہوا اور اُس نے کیسے اُسکا دل تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد وہ دُنیا کا عظیم ترین مشنری بن کر اسی مسیح کی منادی کرتا رہا۔ نہ صرف پولُس بلکہ تمام شاگرد بھی مسیح کی خاطر دکھ سہتے اور قید کی صعوبتوں میں پڑے۔ اور وہ ہر جگہ گئے اور مسیح کے جی اُٹھنے کی منادی کرتے رہے کہ مسیح دُنیا کا منجی ہے اور وہ مردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ تاریخی روایت بتاتی ہے کہ یوحنا کے سوا تمام شاگرد مسیح کی گواہی دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ

انہوں نے مسیح کے بارے میں سچائی کو کس قدر مضبوطی سے تھامے رکھا۔اُن کی زندگیوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بہت مخلص اور دیانتدار مبشر تھے۔

مسیح کی آمدِ ثانی کے لیے تیاری

اگر مسیح کی زندگی کو تاریخی پس منظر میں نہ دیکھیں تو شاید ہمارے لیے یہ بات ماننا ممکن نہ ہو۔اس لیے مَیں مختصر طور پر اس کا تاریخی پس منظر بیان کرنا چاہوں گا۔آدم نے جب خدا کی حکم عدولی کی تو اُس کے تھوڑے عرصہ بعد ہی خدا نے دُنیا کے منجی کا وعدہ کیا۔ابراہام سے خدا نے وعدہ کیا کہ اُس کی نسل سے ساری قومیں برکت پائیں گی۔(پیدائش 12 باب 1 تا 2 آیات)۔خدا نے ابرہام کی اولاد کو چن لیا۔یہودیوں کو خدا نے اپنے لوگوں کے طور پر چن لیا اور یہ وعدہ کیا کہ مَیں مسیح کو اس قوم میں سے بھیجوں گا۔خدا نے اسرائیل کو عبادت کا ایک مکمل طریقہ دیا جس میں مسیح کی پہلی آمد کا واضح عکس دیکھا جا سکتا ہے۔روزانہ کی قربانی یہ ظاہر کرتی تھی کہ خون بہت ضرور ہے یعنی انسان کی بخشش کے لیے ایک کفارہ بہت اہم ہے۔کاہن جو روزانہ قربانیاں گزرانتے تھے وہ خدا اور انسان کی مابین درمیانی کی حیثیت رکھتے تھے۔اس سے یہ واضح ہوا کہ کوئی شخص بغیر درمیانی یعنی شفاعت کرنے والے کے خدا کے پاس نہیں آ سکتا۔اور خدا کی دی ہوئی شریعت بھی یہ ظاہر کرتی ہے کہ ہر شخص گناہ گار ہے اور اُس کو منجی کی ضرورت ہے۔پرانے عہدنامے کے تمام تر نبی بھی اس بات کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں کہ ایک دن مسیح اپنے پورے اختیار کے ساتھ خدا کی مرضی کو انسان پر ظاہر کرے گا۔

حقیقت میں پورے کا پورا پرانا عہدنامہ مسیح یسوع کی پہلی آمد کی تیاری کے لیے دیا گیا۔موسیٰ، داؤد اور یسعیاہ بھی مسیح کی آمد کی تیاری کے پس منظر میں نبوتیں کرتے ہیں۔جیسا کہ میکاہ نے نبوت کی کہ مسیح بیت لحم میں پیدا ہوگا۔(میکاہ 5 باب 2 آیت)۔یسعیاہ نے نبوت کی کہ مسیح کنواری سے پیدا ہوگا (یسعیاہ 7 باب 14 آیت)۔داؤد نے مسیح کی موت کے بارے میں بہت ساری نبوتیں کیں۔(زبور 22 کی 6 تا 8؛ اور 12 تا 18 آیات)۔داؤد نے مسیح کے جی اُٹھنے کے بارے میں بھی نبوت کی (زبور 16 کی 10 آیت۔اس کے علاوہ بھی پرانے عہدنامے میں مسیح کے

بارے میں بہت سی نبوتیں موجود ہیں۔ لیکن مسیح کے بارے میں سب سے تفصیلی نبوت یسعیاہ 53 باب میں ہے۔ اس میں یسعیاہ ہمیں بتاتا ہے کہ مسیح ہمارے گناہوں کے کفارہ کے طور پر اپنی جان دے گا۔ ''حالانکہ وہ ہماری خطاؤں کے سبب سے گھائل کیا گیا اور ہماری بدکاری کے باعث کچلا گیا۔ ہماری ہی سلامتی کے لیے اُس پر سیاست ہوئی تاکہ اُس کے مار کھانے سے ہم شفا پائیں۔ ہم سب بھیڑوں کی مانند بھٹک گئے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی راہ کو پھرا پر خداوند نے ہم سب کی بدکرداری اُس پر لاد دی'' (یسعیاہ 53 باب 5 تا 6 آیات)۔ یسعیاہ مزید لکھتا ہے کہ مسیح بدکاروں کے ساتھ مرے گا۔ ''اور اُس کی قبر بھی شریروں کے درمیان ٹھہرائی گئی اور وہ اپنی موت میں دولمندوں کے ساتھ ہوگا حالانکہ اُس نے کسی طرح کا ظلم نہیں کیا اور اُس کے منہ میں ہرگز چھل نہ تھا۔ (یسعیاہ 53 باب 9 آیت)۔ ہم سب جانتے ہیں کہ مسیح دو ڈاکوؤں کے ساتھ صلیب پر چڑھایا گیا۔ اور نبوتیں کہتی ہیں کہ مسیح گنہگاروں کو معافی اور راستبازی بخشے گا۔ ''اپنی جان ہی کا دُکھ اُٹھا کر وہ اُسے دیکھے گا اور سیر ہوگا۔ اپنے ہی عرفان سے میرا صادق خادم بہتوں کو راستباز ٹھہرائے گا کیونکہ وہ اُن کی بدکرداری خود اُٹھا لے گا۔ (یسعیاہ 53 باب 11 آیت)۔ یہ نبوتیں مسیح کی پیدائش کے سات ہزار سال پہلے لکھی گئیں۔ اس لیے ہم دیکھ سکتے ہیں مسیح کی آمد کے لیے کس قدر زیادہ تیاری ہو رہی تھی۔ حتیٰ کہ خدا نے مسیح کے زمانہ میں ایک پیامبر کو بھیجا کہ وہ مسیح کے آنے کا اعلان کرے۔ جو کہ یوحنا اصطباغی تھا۔ پس مسیح کی آمد سے پہلے تمام یہودی مسیح کے منتظر تھے۔

مسیح کا نتیجہ خیز کام

مسیح کی آمد کے لیے نہ صرف نبوتیں اور تیاری ہوئی بلکہ مسیح کی آمد سے پہلے اور مسیح کے دوبارہ آسمان پر چلے جانے کے بعد بھی بہت سارے عظیم کام رونما ہوئے۔ جب کہ مسیح اس دُنیا میں تھا تو اُس نے اپنے شاگردوں کو شفا دینے اور بدروحوں کو نکالنے کا اختیار بخشا۔ اور انہوں نے یہ کام کیے۔ اور مسیح نے اپنے شاگردوں کے ساتھ ہونے کا بھی وعدہ کیا۔ ''مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو مَیں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا بلکہ اس سے بھی بڑے کام کرے گا کیونکہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں۔ (یوحنا 14 باب 12 آیت)۔ اور شاگردوں نے ایسا کیا۔

مسیح جو صلیب پر موا اُس کو منجی کہہ کر لوگوں کو پیغام دینا اُس دور میں کوئی آسان کام نہ تھا۔

لیکن شاگردوں نے مسیح کے جی اٹھنے کے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا اور بہت سے لوگ اس پر ایمان لائے۔ اور جلد ہی مسیح کی خوشخبری سامریہ، کلکیہ ، گلتہ۔ یونان اور روم تک پہنچ گئی۔ اگرچہ مسیحی پہلے یہودیوں سے ستائے گئے اور بعد میں رومی حکومت سے لیکن وہ تعداد میں مسلسل بڑھتے گئے۔ رسول بیماروں کو شفا دے سکتے تھے اور حتیٰ کی مردوں کو بھی مسیح کے نام میں زندہ کر دیا کرتے تھے۔ مسیح نے رائی کے دانے کی تمثیل میں کہا کہ اُس کی کلیسیا ایک دن بہت زیادہ نشو ونما پائے گی۔ (متی 13 باب 31 تا 32 آیات)۔ جیسا کہ مسیح نے کہا تھا ویسے ہی کلیسیا پوری دُنیا میں پھیل گئی۔ رومی شہنشاہوں نے کلیسا کو بہت ستایا اور اذیتیں پہنچائیں اور ہزاروں کی تعداد میں مسیحیوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا۔ پھر بھی کلیسیا کی نشو و نما نہ رک سکی۔ اور آخر میں شہنشاہ کانسٹنٹائن بھی مسیح پر ایمان لے آیا۔

آج مسیح کی انجیل دُنیا کے تمام ملکوں اور حصوں میں پہنچ چکی ہے۔ اگرچہ مسیح آج سے تقریباً دو ہزار سال پہلے آسمان پر چلا گیا لیکن ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لوگ اُس کی عبادت کرتے اور اُس سے دُعا کرتے ہیں۔ اُس کی خدمت کرتے اور اُس کے نام کی خاطر دُکھ بھی اُٹھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سارے لوگ مسیح کی خاطر جانیں بھی قربان کر دیتے ہیں۔ آپ کو یاد ہے کہ ہمارا کیلنڈر مسیح کی آمد کی بنیاد پر ہے۔ اور کلام مقدس دُنیا میں سب سے زیادہ شائع ہونے والی کتاب اور سب زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ میرا یہ پختہ یقین ہے کہ جو لوگ ایماندار نہیں اُن کے پاس کوئی ایسا جواز اور وضاحت نہیں کہ وہ کیوں ایسا کرتے ہیں۔ اگر کوئی وضاحت ہے تو وہ یہ کہ مسیح خدا کا بیٹا تھا اور اُس کی مہیب قدرت آج بھی بہت سے لوگوں کی زندگیاں تبدیل کرتی ہے۔ مسیح ہمیں معافی، محبت اور امن و اُمید بخشتا ہے۔ وہ حقیقی خدا کا بیٹا اور دُنیا کا منجی ہے۔ میری دعا ہے کہ آپ بھی اُس کو قبول کریں اور اس کا فضل پائیں۔

نظر ثانی اور مباحثہ کے لئے سوالات

۱) مسیح کے بارے غیر معمولی باتیں کیا ہیں؟

۲) مسیح نے کونسے غیر معمولی دعوے کیے ہیں؟

۳) ایک شخص جو محض باتیں ہی کرتا ہے اور کام نہیں کرتا اُس کی عزت نہیں ہوتی اس پس منظر میں مسیح کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

۴) مسیح نے ایسے کونسے کام کیے ہیں جو عام آدمی کے لیے ممکن نہیں ہے؟

۵) مسیح ہماری انسانی فطرت کے بارے میں کیا سکھا تا ہے؟ یہودیوں کے مسیح کے ساتھ سلوک میں کیا یہ فطرت واضح تھی؟

۶) مسیح نے اپنے لوگوں اور اس دُنیا کے لیے کیا کرنے کے لیے کہا؟

۷) کیا مسیح بدکار انسانوں سے شکست کی وجہ سے مصلوب ہوا یا پھر وہ گنہگاروں کے لیے جان دینے کے لیے آیا؟

۸) ہمارے پاس مسیح کے جی اُٹھنے کے لیے کیا وجوہات ہیں؟

۹) جب مسیح زندہ ہوا تو اُس کے ساتھ کیا عجیب بات ہوئی اور آج مسیح کیا کر رہا ہے؟

۱۰) کیا ہم مسیح یسوع کے بطور بادشاہ دوبارہ آنے کی اُمید رکھتے ہیں؟ (دیکھیں متی 25 باب 31 تا 46 آیات)

دسواں باب

خلاصہ اور نتیجہ

ہم مسائل سے بھر دُنیا میں رہتے ہیں۔ان مسائل کے حل کے بغیر زندگی بہت اُداس، بے معنی، اور نا اُمیدی کا شکار ہوگی۔سب سے بنیادی اور اہم مسئلہ اس سوال میں ہے کہ ''مَیں کیا اور کون ہوں؟''

ا) مَیں کیا اور ہوں؟

بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ انسان مادی اشیا کے ارتقا کا نتیجہ ہے۔اگر ایسا ممکن ہوتا تو ہم ہمیشہ اپنی بقا کے لیے لڑ رہے ہوتے اور ہماری قدر بھی کسی جانور سے زیادہ نہ ہوتی۔لیکن کلامِ مقدس انسان کے بارے میں بہت ہی حیرت انگیز نقطہ نظر پیش کرتا ہے۔یہ بیان کرتا ہے کہ خدا نے انسان کو کس طرح عجیب طور سے جانوروں سے اعلیٰ تخلیق بنایا۔خدا نے انسان کو اپنی شبیہ اور صورت پر پیدا کیا۔اس سے مراد یہ ہے کہ روحانی طور پر (جسمانی طور پر نہیں) ہم خدا کے ہمشکل ہیں۔ہمارے اندر ایک روح ہے جو کبھی بھی نہیں مرتی۔خدا نے ہمیں مقدس اور راستباز اور اپنی طرح سچائی کا عرفان رکھنے والا پیدا کیا۔خدا نے ہمیں اپنی شخصیت سے مطابقت رکھنے والے اشخاص پیدا کیا۔اور اُس نے اپنے اختیار کے تحت ہمیں اس دُنیا پر حاکم ٹھہرایا۔چونکہ ہم روحانی اعتبار سے خدا کے ہمشکل ہیں اس لیے انسان خدا کی نظر ہیں بیش بہا قدر و منزلت کا حامل ہے۔ہم محض جانوروں کی مانند نہیں جن میں کوئی ابدی روح نہیں ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ساتھ بہت سے مسائل ہیں اور اکثر ہم ایک حیرت انگیز تخلیق نظر نہیں آتے۔یہ اس لیے ہے کہ ہمارے پہلے آباؤ اجداد یعنی آدم اور حوا نے خدا کو رد کر کے اپنا رستہ اختیار کر لیا۔اس لیے ہم بھی اکثر ایسا ہی کرتے ہیں۔ہم نے بھی خدا کی شبیہ اور صورت کو بُری

طرح سے مسخ کیا ہے۔لیکن پھر بھی خدا کی صورت ہم میں ختم نہیں ہو جاتی۔ بے شک یہ مسخ ہی صحیح لیکن خدا کی صورت موجود رہتی ہے۔اس لیے خدا ہم پر بہت توجہ کرتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنی نافرمانی، بغاوت اور غرور کی وجہ سے خدا کے قہر کے تلے بھی ہیں۔ہم حقیقت میں ایک باغی اور گناہگار تخلیق ہیں۔اپنے پہلے رتبہ کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے کہ ہم توبہ کریں اور خدا کی طرف رجوع لائیں۔اور واپسی کا یہ رستہ خداوند مسیح یسوع کے ذریعے ممکن ہے۔ جو کہ ہمیں اپنی محبت کی طرف ہی نہیں بلاتا بلکہ وہ ہمیں اپنی طرف آنے کا حکم بھی دیتا ہے۔

۲) ہم کس لیے زندہ ہیں؟

لیکن ہم کیوں اس قدر اپنے رستے پر ہی چلنا چاہتے ہیں؟ ہمارا اس میں کیا مقصد ہے؟ کیا ہم اپنی زندگی کا اصل اور آخری مقصد جانتے ہیں؟ اگر ہمارا خیال ہے کہ بغیر کسی ذی شعور خالق کے انسان محض ارتقائی نظام کا حاصل ہے تو ہم شاید خیال کریں کہ اس کی زندگی کا کوئی اہم مقصد بھی نہیں ہوسکتا۔اور ہم شاید یہ بھی سوچیں کہ ہر شخص اپنی زندگی کا مقصد خود تعین و تبدیل کر سکتا ہے۔ لیکن عملی نقطہ نگاہ سے یہ بے حد غیر اطمینان بخش بات ہوگی۔ کیونکہ ایسی سوچ ایک ایسی دُنیا کو جنم دے گی جس میں بے شمار انسان متضاد مقاصد کے لیے رہ رہے ہیں۔اگر زندگی کے مقصد کے لیے کوئی اخلاقی معیار موجود نہ ہو تو یہ ایک بہت بڑا حادثہ ہوگا۔ کیونکہ بہت سارے لوگ اصل میں چوری، قتل، بے عزتی اور دوسروں کو غلام بنانے کا ارداہ رکھتے ہیں۔اس لیے ہر شخص خودغرض زندگی گزارتا ہے۔ ہم سب خودغرض لوگوں کو پسند نہیں کرتے اور اگر ہم جان بوجھ کر خودغرض زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے آپ کو بھی ناپسند کرنا چاہیے۔ بہت سارے لوگوں کو اپنی زندگی کے مقصد کا پتہ نہیں ہے۔وہ اس لیے وہ اپنی زندگی کو خود ختم کر دیتے ہیں کیونکہ وہ اپنی زندگی کے مقصد سے ناواقف ہوتے ہیں۔

کلام مقدس ہمارے جینے کی وجہ کا ایک واضح جواب دیتا ہے۔ایک غیر فانی، دانشمند اور رحیم باپ نے ہمیں پیدا کیا ہے۔اُس نے ہمیں ایک مقصد کے تحت پیدا کیا ہے اور وہی ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ ہماری زندگی کا اصل مقصد خدا کی خدمت، اُس میں مسرور رہنا اور اُس سے

محبت کرنا ہے۔اور خدا ہم سے یہ بھی چاہتا ہے کہ ہم اُس کی برکات سے خوش ہوں۔اگر ہم یہ مقصد پسند نہیں کرتے تو اس سے مراد ہے کہ ہم خودغرضی کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔اور اس سے یہ بھی مراد ہے کہ خدا کو حقیقت میں جانتے ہی نہیں۔اگر ہم خدا کو جانتے ہیں تو ہم کسی شخص کی مدد کرنا اور اُس سے محبت رکھنے کو مشکل کام نہیں تصور کریں گے۔ہم کسی اچھے شخص کے لیے کام کرنے کو استحقاق تصور کرتے ہیں۔اور حقیقت میں خدا ایک حیرت انگیز طور سے محبت کرنے والا ہے۔کلام مقدس ہمیں سکھاتا ہے کہ اگرچہ ہم نے خدا سے بغاوت کی اور اپنے رستے اختیار کیا اور اس کے احکام کو نظرانداز کیا پھر بھی اُس نے ہماری خاطر اپنا بیٹا بخش دیا۔اور وہ ہماری جگہ خدا کے قہر کو اپنے بدن پر لے کر کفارہ کے طور پر صلیب پر جان دے دیتا ہے۔اور اب وہ دوبارہ زندہ ہو کر خدا کے تخت پر جا بیٹھا ہے۔اگر ہم اس بات کا یقین کریں تو ہم جانیں گے کہ خدا محبت کرنے والا ہے۔ہم جانتے ہیں کہ خدا نے ہمیں معاف کر کے لے پالک ہونے کا حق بخش دیا ہے اس لیے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔اگر ہم یہ برکات حاصل کر چکے ہیں تو اس خدا کی محبت اور جلال کے قائل بھی ہیں۔خدا نے ہمارے لیے ایسے کام سرانجام دیئے اور اپنی محبت کثرت سے ہم پر نچھاور کی ہے اس لیے ہم اپنی پوری زندگی خدا کی شکرگزاری کریں گے۔

خدا سے محبت کرنا، اُس کی خدمت کرنا، اور خدا سے رفاقت رکھنا زندگی کے سب سے اہم اور اعلیٰ مقاصد ہیں ہے۔ہم اس سے زیادہ اچھی چیز حاصل کر ہی نہیں سکتے جو چیز خدا ہمیں دینے کا منصوبہ رکھتا ہے۔یہی عظیم مقصد ہمیں کارِ عظیم کے لیے متحد کرتا ہے اور خدا کے ساتھ بھی ہمارا ملاپ کراتا ہے۔خدا کی خدمت کے شاید بہت سارے رستے ہوں گے اور اگر ہم خدا کے کلام کے مطابق اُس کی خدمت کرتے ہیں تو وہ تمام تر رستے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ایسے اچھے مقصد اور ایسے اچھے خدا کی خدمت کے ذریعے ہم زندگی میں بے شک بہت اہم مقصد پورا کرتے ہوئے بہتر لوگ بن جاتے ہیں۔اور اس دُنیا سے کوچ کرنے کا موقع آجاتا ہے تو بھی ہم اس مقصد کے متمنی ہوتے ہیں کیونکہ آسمان پر بھی ہمارا یہی مقصد ہے۔اور یہ سب ہم مسیح یسوع کے فضل کے ذریعے کر سکتے ہیں۔

۳) کیا ہم آزاد ہیں؟

تاہم بہت سارے لوگ شاید یہ خیال کریں کہ خدا پر ایمان اُن کی آزادی کو چھین لیتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں ہم خدا کی خدمت کے ساتھ کیسے آزاد ہو سکتے ہیں۔ کچھ لوگ مکمل آزادی چاہتے ہیں اور وہ کسی بھی صورت اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن صرف ایک مطلق بااختیار ہی مطلق آزاد ہو سکتا ہے۔ اور اگر ہر ایک شخص مطلق آزاد ہو جائے تو اس دُنیا میں کروڑوں بااختیار لوگ ہوں گے جو کہ ناممکن ہے۔ یہ مطلق تصادم اور ابتری کیا ہی کیسی ہو گی۔ ایسی آزادی صرف برائی کی غلامی کی طرف لے جائے گی۔ کیا مطلق آزادی کے ہمارے بے حد میلان نے ہمیں بغاوت، طلاق، تقسیم، دل شکنی اور آفات کی جانب نہیں دھکیل دیا۔ سچائی تو یہ ہے کہ ہم سب کسی نہ کسی بری عادت کے غلام ہیں۔ ہم اپنے اندر خوف اور کمزوری کی وجہ سے محدود ہیں کیونکہ ہماری جسمانی خواہشات ہم پر غالب آ چکی ہیں۔ پھر ہم اپنے آپ کو کیسے مطلق آزاد دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس جہاں میں ایک ہی ذات ہے جو مطلق آزاد ہے وہ ہے خدائے قادرِ مطلق۔ ہماری آزادی محدود ہے لیکن یہ حقیقی آزادی ہو سکتی ہے۔

مسیح نے کہا ''اور سچائی سے واقف ہو گے اور سچائی تم کو آزاد کرے گی'' (یوحنا 8 باب 32 آیت)۔ ہمیں اس عجیب بیان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ سچائی جس کے متعلق مسیح بیان کر رہا ہے وہ سچائی خدا کے بارے اور مسیح اور اُس کی صلیب پر موت کے بارے میں ہے۔ یہ سچائی اُس کی موت اور مردوں میں سے جی اُٹھنے کے لیے ہے۔ اور یہ سچائی ہمارے متعلق بھی ہے یعنی ہماری بُری حالت اور خدا کے خلاف ہماری بغاوت ہے۔ اور مسیح یہی کہہ رہا تھا کہ کس طرح شیطان نے لوگوں کو قید کر رکھا ہے۔ اور یہ سچائی شیطان کے اس جال اور چال کے بارے میں بھی ہے کہ کس طرح وہ آزمائش میں ڈالتا ہے۔ یہ سچائی کلام مقدس میں منکشف ہر چیز بھی ہے۔ لیکن سب سے بڑھ کر سچائی مسیح کے بارے میں ہے۔ یہ وہ سچائی ہے کہ مسیح ابدی خدا کا بیٹا ہے جو ہمیں بچانے کے لیے انسان بن گیا اور شیطان کا کام تباہ کرنے کے لیے کنواری مریم سے بیت لحم میں پیدا ہوا۔ اس لیے اُس نے ہمارے گناہوں کے لیے اپنی جان دے دی اور ہمارے لیے مردوں میں سے جی

اُٹھنے کے بعد باپ آسمانی کی دہنی طرف جا بیٹھا۔ یہ سچائی اگر ہم قبول کریں تو یہ ہمیں آزاد کرے گی۔ چونکہ مسیح اُن کو جواُس پر ایمان لاتے سچائی بخشتا ہے۔ یہ کس قسم کی سچائی ہے؟

۱) مسیح کی عظیم قدرت ہمیں شیطان کی طاقت سے آزاد کرتی ہے۔

۲) خدا کا روح القدس ہمارے اندر نیا دل پیدا کرتا ہے تا کہ ہم خدا سے محبت رکھیں۔

۳) مسیح کی قربانی ہمیں خدا کے قہر سے آزاد کرتی ہے تا کہ خدا کے ساتھ ہماری صلح ہو جائے۔

۴) مسیح کا فضل ہمیں ابدی زندگی کی اُمید بخشتا اور ہمیں موت کے خوف سے آزاد کرتا ہے۔

۵) مسیح کی شفاعت ہمیں خدا سے دُعا کرنے کی آزادی بخشتی ہے۔

۶) خدا کے فضل کی سچائی ہمیں انسانوں کے خوف سے آزاد کرتی ہے۔ تا کہ ہم جو کچھ خدا کی نظر میں درست ہے وہ کریں۔ اور خدا کی سچائی رکھتے ہوئے ہم خدا کو مزید جاننا چاہتے اور اُس سے رفاقت رکھنا چاہتے ہیں یہی حقیقی اور عظیم آزادی ہے۔

۴) ہم کیا جانتے ہیں؟

بہت سارے لوگ علم کے لیے سائنس کی جانب تکتے ہیں۔ عموماً لوگ تصور کرتے ہیں کہ سائنس نسل انسانی کو سب سے مستند، مکمل اور مفید علم فراہم کرتا ہے۔ بے شک ہم سائنس کی بہت ساری دریافتوں اور تحقیق سے مستفید ہوتے ہیں۔ لیکن ہم سائنس کی حدود کو بھی جانتے ہیں۔ چونکہ سائنس بنیادی طور پر مادی دُنیا کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے اس لئے فلسفہ اور مذہب اس کی حدود اور دسترس سے باہر ہیں۔ سائنس اخلاقیات اور زندگی کے مقصد کے بارے میں بھی ہماری رہنمائی نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ سائنس کے اور بہت سے مسائل ہیں۔ سائنس کی خارجی حیثیت کے بارے میں بھی سوالات موجود ہیں۔ سائنس کی دریافت شدہ اور پیدا کردہ اشیا پر اس کا مسلسل اختیار بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ جیسا کہ ہم سب سائنس کی ایجادات یعنی نیوکلیئر بم سے خوف زدہ ہیں جو پوری دُنیا کے سر پر منڈلاتا ہوا خطرہ ہے۔ کون جانتا ہے کہ کوئی سائنسدان

اس سے بھی طاقتور چیز بنا دے۔ جو دُنیا کی بقا کے لیے مزید خطرہ ہو جیسا کہ دہشت گرد لوگوں کے ہاتھ میں ایٹمی طاقت تباہی کا سبب ہو سکتی ہے۔ ہم نے بہت سی عظیم ایجادات کیں ہیں لیکن پھر بھی بہت سارے لوگ غیر مطمئن، ناخوش اور خوف میں مبتلا ہیں۔

ایک اور گہرا مسئلہ سائنس کے میدان میں محدودیت ہے۔ سائنس اس دُنیا میں موجود تمام تر اشیا کے بارے میں دریافت نہیں کر سکتا۔ سائنس کا علم اس کائنات کی ہر ایک شے کے بارے میں کس قدر مکمل ہے۔ سائنس کا سب سے بڑا مسئلہ یہ کہ سائنس خدا کے بارے میں خاموش ہے۔ آپ کسی کمپنی کے بارے میں اُس کے صدر کو جانے بغیر کتنا جان سکتے ہیں۔ اور کسی ملک کے آئین کو جانے بغیر اُس ملک کے بارے میں کس قدر جان سکتے ہیں۔ بے شک کئی ایک عظیم سائنسدان خدا پر ایمان لے آئے۔ میرے خیال میں وہ درست ہیں۔ خدا موجود ہے۔ خدا کا جاننا حکمت کا شروع ہے۔ خدا کا عرفان تمام اشیا کے بارے میں علم کی کلید ہے۔ جب تک کہ ہم خدا کے ذہن کے بارے میں نہ جانیں جو سب اشیا اُس نے پیدا کیں اُن کے مقصد کے بارے میں کیسے جان سکتے ہیں۔ ہم خدا کو جانے بغیر مکمل طور پر غیر یقینی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ کلام مقدس میں خُدا نے اپنے بارے میں علم فراہم کیا ہے۔ اس میں خدا بتاتا ہے کہ وہ کون ہے اور اُس نے کیا کِیا اور کیا کرے گا؟ اُس نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ ہم کون ہیں، ہمیں کیا کرنا چاہیے اور ہمیں کس چیز کی اُمید رکھنا چاہیے۔ اور ہمیں کس بات کا خوف رکھنا چاہیے۔ کلام مقدس خدا کے بارے میں علم کا بنیادی منبع ہے اس لیے ہمیں اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

۵) کیا ہم خالق خدا کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں؟

ایسا لگتا ہے لوگ خدا سے مختلف طور سے خوفزدہ ہیں۔ اُن کے خیال میں خدا کے آئین و احکام کہیں اُن کی آزادی نہ چھین لیں۔ اور کچھ کے خیال میں کسی دوسری مطلق طاقت کے تحت ہونا ذلت آمیز ہے۔ اور بہت سارے لوگ ایسا سوچتے ہیں کہ خدا پر ایمان لانے سے ان کی لیاقت اور جوہر اور شخصیت کی نشوونما اور ترقی نہیں ہو سکتی۔ کیا اس قسم کے خوف جائز ہیں؟ اور ہمارا خدا جس پر ہم ایمان لاتے ہیں وہ دانشمند، محبت کرنے والا، مہربان، مقدس اور سچا ہے تو یہ خوف باطل ہیں۔

مذہب کی جانب ایسے نظریات ایک بہت ہی اہم سوال نظرانداز کرتے ہیں۔وہ سوال کائنات کے خالق کی حاکمیت کا ہے۔کلام مقدس حقیقت میں بیان کرتا ہے کہ خدائے خالق موجود ہے۔کلام مقدس اس خالق خدا کے عظیم کام ہزاروں سالوں پر محیط تاریخ میں بیان کرتا ہے۔کلام مقدس کہتا ہے خدا مختلف ادوار میں ہم سے نبی اور اپنے بیٹے یسوع جو کہ خدا کا کامل مکاشفہ ہے اُس کے ذریعے ہمکلام ہوا۔

مزید برآں! مسیح کے عظیم کام بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اُسے خدا نے ہی بھیجا۔اس کے ساتھ ساتھ جو لوگ مسیح پر بطور خدا کا بیٹا ایمان لائے اور روح القدس انعام میں پایا ان کے ذریعے بھی بڑے بڑے نشان اور کام ظاہر ہوئے۔ بے حد اذا رسانی کے باوجود بھی ایمانداروں نے مسیح کے جی اُٹھنے کی گواہی کو یہاں تک جاری رکھا کہ موت تک قبول کی۔اسی طرح مسیحیت دُنیا کے تمام حصوں میں پھیل گئی۔

مسیحیت یورپ اور برطانیہ کے جزائر میں پھیل گئی اور یہاں سے امریکہ میں مسیحیت کا پیغام پہنچا۔مسیحیت کی اس بیداری نے سائنس کو فروغ دیا۔آپ غور کریں کہ تمام مسیحی ممالک جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے لیے رحمِ مادر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر کوئی یہ کیسے کہتا ہے کہ مسیحیت سائنس کی راہ میں رکاوٹیں حائل کرتی ہے۔سائنس ایسی دُنیا میں ناممکن ہے جس میں منصوبہ بندی، اختیار ونگرانی اور مقصد کا کوئی تعین نہ ہو۔ایسی دُنیا اور ایسے حالات میں شخصی ترقی بھی ناممکن ہے۔ سچے خدا پر ایمان ہی سائنسی اور شخصی ترقی کی بنیاد ہے۔ سچے خدا پر ایمان اور اُس کے فضل کے ساتھ ہی ہم اِن چیزوں کو جان سکتے ہیں جن کی طلب رکھتے ہیں۔صرف خدا کی محبت،قدوسیت اور انصاف ہی روشن انسانیت کا محرک ہے۔ایسی انسانیت جو ارتقائی مادیت کا حاصل ہو اُس کی نہ تو کوئی اخلاقی بنیاد ہوتی ہے نہ ہی اخلاقیات کی نشوونما۔اور ہمارے بڑے مسائل عدم اخلاقیات اور عدم انصاف کی وجہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

٦) اخلاقیات کیوں ہیں؟

اخلاقیات کے ضمن میں اگر ہم خدا کے وجود کا انکار کریں اور اُس پر ایمان نہ لائیں

تو پوری کائنات محض مادی ہو گی اور اخلاقیات کی بھی کوئی بنیاد نہ ہوگی۔ مٹی اور پانی اور کیمیائی مادے کی کیا اخلاقیات ہوں گی۔ اگرچہ جانوروں میں کچھ بہت ہی اچھے فطری افعال تو دیکھے جا سکتے ہیں لیکن ان میں کوئی اخلاقی اقدار نہیں ہوتیں۔ اگر خدا کا وجود ہی نہیں تو پھر ہمیں اخلاقیات کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اگر نظریہ مادیت درست ہے اور ہم سب (انسان) بغیر روح اور دل کے ایک مادہ ہیں تو پھر ہم کیوں کہتے ہیں کہ حق وراست کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ یہ سچ ہے اور وہ غلط ہے۔ کیا ایک چٹان، جو ہڑ اور بادل ایسا سوچ اور کہہ سکتا ہے۔

لیکن حقیقت میں ہم اخلاقی شخصیت رکھتے ہیں۔ ہم حق و باطل کی پہچان رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایسے دہشت گرد جو لوگوں کو بموں کے ذریعے اُڑاتے اور لوگوں کو یرغمال بنا لیتے ہیں وہ بھی اپنے غلط اور گھنونے کام کو درست کہتے نظر آئیں گے۔ اگر اس دُنیا میں خدا کی سچائی نہ ہو تو ہمارا جینا محال ہو جائے۔ کلام مقدس ہمیں سکھاتا ہے کہ خدا نے اپنی شریعت ہمارے دلوں پر لکھ دی ہے۔ رومیوں 2 باب 14 تا 15 آیات میں یوں لکھا ہے: "اس لیے کہ جب وہ قومیں جو شریعت نہیں رکھتیں اپنی طبعیت سے شریعت کے کام کرتی ہیں تو باوجود شریعت کے نہ ہونے کے وہ اپنے لیے خود ایک شریعت ہیں۔ چنانچہ وہ شریعت کی باتیں اپنے دلوں پر لکھی ہوئی دکھاتی ہیں اور ان کا دل بھی ان سب باتوں کی گواہی دیتا ہے اور ان کے باہمی خیالات یا تو اُن پر الزام لگاتے ہیں یا انکو معزور رکھتے ہیں۔"

جب خدا نے ہمیں خلق کیا اُس وقت اُس نے اپنی شریعت ہمارے دلوں میں رکھی۔ یہ ہم میں خدا کی شبیہ اور صورت کا ایک حصہ ہے۔ اس کے بعد خدا نے اپنی شریعت واضح طور پر کلام مقدس کی شکل میں مہیا کی۔ یہی حق و باطل کا مطلق میعار ہے۔ اس لیے ہمیں اسی معیار کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے کیونکہ جب ہم خدا کے تحتِ عدالت کے سامنے حاضر ہوں گے اسی معیار کے تحت جانچے جائیں گے۔ ہم ایک اخلاقی کائنات میں رہتے ہیں۔ اور خدا دیکھے گا کہ اُس کی ساری شریعت کس طرح مناسب طور سے نافذ ہوئی ہے۔ جب ہمارا ضمیر ہمیں کسی بات پر ملامت کرے تو ہمیں اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

۷) کیا ہم حقیقی محبت کو جانتے ہیں؟

خدا محض انصاف کا خدا ہی نہیں ہے بلکہ وہ محبت کا خدا بھی ہے۔ جبکہ ہم اس بات میں درست ہوں گے کہ خدا سے بڑھ کر شدید اور بدلہ لینے والا کوئی نہیں لیکن اس وقت ہم ایمانداری سے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خدا کی طرح کوئی محبت کرنے والا بھی نہیں ہے۔ جو اس پر ایمان لاتے ہیں ان کے لیے رحم میں غنی اور معاف کرنے میں فیاض ہے۔ کچھ لوگوں کے خیال میں ان کو محبت کی ضرورت نہیں ہے۔ نطشے کہتا ہے کہ محبت کمزوری ہے بہت سارے لوگ اس کو درست تصور کرتے ہیں۔ لیکن اگر محبت کرنے والا خدا نہ ہو تو ہم سب یہی تصور کر لیں گے کہ زندگی طاقت کے بل بوتے پہ گزاری جا سکتی ہے۔ طاقتور ترین شخص کی جیت ہو گی اور وہی سب سے زیادہ خوش شخص کہلائے گا۔ کیا یہ واقعی سچ ہے؟ کیا ایک شخص غربت سے نجات حاصل کر کے حقیقی طور پر خوش ہو سکتا ہے؟

سچ تو یہ ہے کہ لوگ محبت کے بغیر جی نہیں سکتے۔ جن بچوں کو پیار نہیں ملتا وہ بیمار ہو کر مر جاتے ہیں۔ نوجوان جو محبت نہیں پاتے تلخ مزاج بن جاتے ہیں۔ میاں اور بیوی جن میں محبت نہیں ہوتی وہ دکھ کی زندگی گزارتے ہیں اور اکثر علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ایسے بوڑھے جن کو محبت بھرا ماحول نہیں ملتا دل برداشتہ ہونے کی وجہ سے کمزور اور بیمار رہتے ہیں۔ آج کی دُنیا محبت کی کمی کی وجہ سے دُکھ میں مبتلا ہے۔ ہم خود بھی اکثر محبت کی کمی کا احساس اپنے اندر رکھتے ہیں۔

کلام مقدس فرماتا ہے کہ خدا نے ہمیں اپنی محبت دے دی۔ اور وہی محبت کا عظیم منبع و مصدر ہے اسی لیے اُس نے ہمیں اپنا بیش بہا قیمتی بیٹا یسوع مسیح بخش دیا۔ ''محبت اس میں نہیں کہ ہم نے خدا سے محبت کی بلکہ اس میں ہے کہ اس نے ہم سے محبت کی اور ہمارے گناہوں کے کفارہ کے لیے اپنا بیٹے کو بھیجا۔'' (1 یوحنا 4 باب 10 آیت)۔ خدا نے ہماری مفلوک الحالی دیکھ لی۔ خدا یہ جانتا تھا کہ ہم اپنے آپ اپنے گناہوں سے خود کو نہیں بچا سکتے اس لیے اُس نے ہم کو بچانے کے لیے اپنا بیٹا بھیج دیا۔ اور مسیح یسوع نے اپنے باپ کا پیار ہم پر بہت سارے لوگوں کو اپنی تعلیمات و معجزات (روحانی اور جسمانی شفا) کے ذریعے سے ظاہر کیا۔ سب سے بڑھ کر اُس نے ہم پر

باپ (خدا) کی محبت کا اظہار صلیب پر جان دے کر کیا۔ چونکہ خدا کے انصاف کا تقاضا پورا کرنے کے لیے ہمیں ہمارے تمام گناہوں اور ناکامیوں کی مناسب سزا ملنا ضروری تھی۔ خدا اور اُس کے بیٹے نے ہم سے ایسی محبت رکھی کہ خدا نے اپنا بیٹا بھیج دیا اور بیٹے نے باپ کی مرضی کو پورا کرنے کے لیے اپنی جان گناہوں کے کفارہ کے لیے دے دی۔ ''لیکن خدا اپنی محبت کی خوبی ہم پر یوں ظاہر کی کہ جب ہم گنہگار ہی تھے تو مسیح ہماری خاطر موا۔'' (رومیوں 5 باب 8 آیت)۔ اس طرح مسیح یسوع پر ایمان لانے سے ہم خدا کی محبت پاتے ہیں اور اس قابل ہو جاتے ہیں کہ اس محبت کا اظہار دوسروں کے ساتھ کریں۔ یہ محبت آج دُنیا کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ صرف خدا کی محبت ہی دُنیا میں امن و مسرت پیدا کر سکتی ہے۔

اب خدا کو جاننے کے لیے اور اُس کی کامل معافی حاصل کرنے کے لیے خدا ہم سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنے گناہوں کی توبہ کریں۔ ہمیں صرف اور صرف مسیح یسوع کی معافی پر انحصار کرنا چاہیے۔ کیونکہ خدا کے ساتھ رفاقت رکھنے اور حقیقی امن حاصل کرنے کا یہ واحد ذریعہ ہے۔ جو کوئی بھی مسیح پر ایمان لاتا ہے وہ خدا کے فرزند ہونے کا حق پانے کے بعد خدا کے روحانی خاندان میں شامل ہوتا اور ابدی زندگی حاصل کرتا ہے۔

۸) کیا ہم زندگی کی اُمید رکھتے ہیں؟

کیا آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ مَیں نہیں جانتا کہ آپ اس سوال کا جواب کس طرح دیں گے لیکن انسان کبھی بھی اس زندگی کو اپنا اختتام نہیں سمجھتا ہے۔ دُنیا کی ہر قوم اور قبیلے کی قبریں ایسے شواہد بتاتی ہیں کہ لوگ موت کو اپنا خاتمہ نہیں تصور کرتے۔ جاپانی گھروں میں خاندانی یا دیوتوں کی کروڑوں خانقائیں اِن کے مردہ رشتہ داروں کی روحوں کے بارے تصورات کو پیش کرتی ہیں۔ ان لوگوں کے خیال میں مردہ لوگوں کی روحیں ختم نہیں ہوتیں۔ اس سے بڑھ کر لوگوں کو موت کا ڈر اس لیے نہیں کہ وہ فنا ہو جائیں گے بلکہ موت کے بعد خوفناک زندگی کا ڈر ان پر حاوی ہے۔ کیا آپ بلا خوف موت کا سامنا کر سکتے ہیں؟ کلامِ مقدس بتاتا ہے کہ موت کے بعد ہماری روحیں زندہ رہتی ہیں۔ وہ روحیں اس دُنیا میں ہی نہیں گھومتیں بلکہ خدا کی مقرر کردہ جگہ پر چلی جاتی

ہیں۔اس دُنیا کے خاتمہ پر ہر ایک کی عدالت ہوگی اور یا تو وہ جنت میں اور یا پھر دوزخ میں ہمیشگی گزارے گا۔ روزِ عدالت ہم نے اس دُنیا میں جو بھی کیا وہ ہمارے سامنے لایا جائے گا۔ اس عدالت کا منصف مسیح یسوع ہوگا۔ مسیح یسوع بے شک محبت کرنے والا اور مہربان ہے۔ اگر ہم نے اس زندگی میں مسیح کو قبول نہ کیا تو ہم ہمیشہ کی زندگی بھی اُس کے بغیر گزاریں گے۔ اگر ہم نے بائبل میں مسیح کے متعلق سیکھا ہے اور مسیح پر ایمان لے آئے ہیں تو روز عدالت مسیح کو ملنا بھی بڑی مسرت بات ہوگی۔

مسیح یسوع ان سے جو اس پر ایمان لاتے اور اس کی تعظیم کرتے ہیں بہت عجیب وعدہ کرتا ہے؛ ''مَیں تم سے سچ کہتا ہوں جو میرا کلام سنتا اور میرے بھیجنے والے کا یقین کرتا ہے ہمیشہ کی زندگی اُسکی ہے اور اُس پر سزا کا حکم نہیں ہوتا بلکہ وہ موت سے نکل کر زندگی میں داخل ہو گیا ہے۔'' (یوحنا 5 باب 24 آیت)۔ ہمیں مسیح کو اسی زندگی میں جاننے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم موت تک انتظار کرتے ہیں تو پھر بڑی دیر ہو جائے گی۔ چونکہ دوسرا کوئی موقع نہیں ہے۔ اور زندگی اور اُمید کے لیے بھی مسیح کے علاوہ کوئی دوسرا رستہ نہیں ہے۔ ''یسوع نے اُس سے کہا قیامت اور زندگی تو مَیں ہوں۔ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے گو وہ مر بھی جائے تو بھی زندہ رہیگا۔'' (یوحنا 11 باب 25 آیت)۔ اس لیے مَیں آپ کو مسیح پر ایمان لانے کی نصیحت کرتا ہوں تاکہ آپ زندگی، امن اور اُمید پا سکیں۔

۹) آپ مسیح یسوع کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟

آپ شاید یہ تصور کریں کہ آپ مسیح پر ایمان لانے کے لیے مناسب آگاہی نہیں رکھتے۔ اور شاید یہ سچ بھی ہے۔ لیکن نویں باب میں ہم نے مسیح کے عظیم کلمات اور دعوؤں کا بیان کیا ہے۔ اُس نے کہا کہ وہ آسمانی ہے اور دُنیا کا نور اور اچھا چرواہا بھی ہے۔ مسیح نے یہ بھی کہا کہ وہ راہ۔ حق اور زندگی ہے۔ مزید وہ یہ کہتا ہے کہ ''میں اور باپ ایک ہیں'' (یوحنا 10 باب 30 آیت)۔ اور مسیح کا کام بھی مہیب ہیں۔ اُس نے ہر طرح کی بیماری کو ٹھیک کیا۔ اور طوفان کو حکم دیا کہ وہ تھم جائے اور وہ تھم گیا۔ مسیح نے پانچ ہزار سے زائد لوگوں کو پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں سے سیر کیا۔ حتیٰ کہ

مردوں کو بھی زندہ کیا۔ مسیح کی تعلیم با اختیار تھی۔ مسیح مطلق اختیار کے ساتھ کلام کرتا تھا۔ مسیح نے لوگوں کو بچانے کے لیے خدا پرستی ، رحم اور مستعدی سے کلام کیا۔ یہاں تک کہ اُس نے گمراہ انسانوں کے لیے اپنی جان بھی قربان کردی۔ وہ ہماری جگہ مر گیا اور دفن ہوا۔ اُس کی قبر پر مہر کر کے پہرا لگا دیا گیا۔ لیکن تیسرے دن زندہ ہو گیا اور اپنے شاگردوں پر غالباً چالیس دن تک ظاہر ہوتا رہا۔ مسیح نے آسمان پر جانے سے قبل اپنے شاگردوں کی رہنمائی، ان کو مقدس کرنے اور تسلی دینے اور قوت بخشنے کے لیے ان سے روح القدس کا وعدہ کیا۔ تب مسیح اپنے باپ کے تحت کی جانب آسمان پر لوٹ گیا۔ اور اپنے وعدے کے مطابق روح القدس بھیج دیا۔ مسیح کے روح نے شاگردوں کو پاک کیا اور آسمانی حکمت بخشی اور وہ بڑی دلیری سے انجیل کا پیغام لوگوں کو دیتے رہے اور بہت سارے لوگ مسیح پر ایمان لائے اور مسیح کو اپنا شخصی نجات دہندہ قبول کیا۔ مسیح کے بارے میں پڑھیں اور مسیح سے متعلق رسولوں کی گواہی سنیں اور اپنے پورے دل سے مسیح پر ایمان لائیں۔ وہ آپ کو زندگی، اُمید، محافظت، امن، فضل اور محبت بخشے گا۔

میرے خیال میں ہر شخص مسیح پر ایمان لانے کی خود قوت نہیں رکھتا۔ کیونکہ کسی کے پاس ایسی طاقت نہیں ہے۔ لیکن خدا کا روح ہمیں مسیح پر ایمان لانے کی قوت بخشا ہے کیونکہ وہ خدا کے کلام کے ذریعے ہمیں ایمان کے لیے قائل کرتا ہے۔ اگر آپ اب یقین نہیں رکھتے تو خدا کا کلام کھولیں اور مرقس کی انجیل یا پھر یوحنا کی انجیل اور دیگر نئے عہدنامے کی کتب کا بغور مطالعہ کریں۔ کلام مقدس کا مطالعہ اس دُعا کے ساتھ کریں کہ وہ آپ کو سمجھ اور ادراک بخشے۔ اگر آپ عاجزی سے خدا کے متلاشی ہوں گے تو روح القدس مسیح پر ایمان لانے میں ضرور آپ کی مدد کرئے گا۔ اور آپ خدا کو بطور باپ قبول کر کے اُس کی معافی اور دل کا اطمینان پائیں گے۔ آپ کے دل کے اندر مسیح کے لیے نئی محبت، ایک نئی خوشی اور زندگی کے لیے نیا مقصد اور ہمیشہ کی زندگی کی اُمید پیدا ہوگی۔

مسیح نے کہا: ”جو کچھ باپ مجھے دیتا ہے میرے پاس آجائے گا اور جو کوئی میرے پاس آجائے گا اُسے مَیں ہرگز نکال نہ دوں گا۔“ (یوحنا 6 باب 37 آیت)۔ ”مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو ایمان لاتا ہے ہمیشہ کی زندگی اُسکی ہے“ (یوحنا 6 باب 47 آیت)۔ مبارک ہے وہ شخص جو

خدا کے کلام پر ایمان رکھتا ہے۔

نظر ثانی اور مباحثہ کے لئے سوالات

۱) اگر کوئی آپ سے یہ پوچھے کہ ’’آپ کیا/ کون ہیں‘‘ تو آپ اس کی کیا وضاحت کریں گے؟

۲) کیا آپ اپنی زندگی کا مقصد دوسروں کو بتا سکتے ہیں؟ کیا یہ مقصد خدا کی خوشنودی ہے؟

۳) آپ کس قسم کی آزادی رکھتے ہیں؟ کیا یہ گناہ کی طاقت اور لعنت سے آزادی ہے؟

۴) کیا آپ نے مطلق سچائی کے بارے میں سیکھا ہے؟ کس قسم کی اشیا ہمیشہ سچی ہیں اور کبھی بھی تبدیل نہیں ہوتیں؟

۵) بائبل اور خدا کے بغیر کیا آپ ضابطہ، انصاف، محبت، نیکی، سچائی، منطق، حکمت، مفہوم، مقصد اور اُمید پا سکتے ہیں؟

۶) ایسی دُنیا جس کی اخلاقیات لاتبدیل ہوں ایسی دُنیا میں رہنا کیسا ہوگا۔ کیا آپ نے خدا کی لاتبدیل اخلاقیات کو جانتے ہیں؟

۷) خدا کی محبت لوگوں کی متصورہ محبت سے کس طرح مختلف ہے؟ کیا آپ نے مسیح کے ذریعے خدا کی محبت پالی ہے؟

۸) جب آپ یہ دُنیا چھوڑ دیں گے تو آپ اپنی ابدیت کہاں پر بسر کرنا چاہیں گے؟ صرف بذریعہ مسیح کے فضل ہمیں اُمید اور ہمیشہ کی زندگی دی گئی ہے۔

۹) مسیح رحیم ہے۔ کیا آپ نے مسیح پر ایمان لانا اور اُس سے محبت کرنا سیکھا ہے تاکہ آپ اس کے ساتھ شخصی رفاقت رکھ سکیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو کیا آپ مسیح کے ساتھ شخصی تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں؟

۱۰) بائبل مقدس میں اناجیل کا بغور اور محتاط مطالعہ خدا باپ، خدا بیٹے اور خدا روح القدس کو جاننے کا سب سے اچھا طریقہ ہے۔

مصنف کے بارے میں:

پاسٹر جین ڈبلیو سپئیر 1927 میں کینساس (یو ایس اے) میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے یو ایس نیوی میں بھی کچھ عرصہ خدمات سرانجام دیں۔ سٹرلنگ کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ریفارمڈ پریسبٹیرین تھیولوجیکل سیمنری سے ایم ڈیو کی ڈگری حاصل کی اور پھر ویسٹ منسٹر تھیولوجیکل سیمنری فلا دلفیہ سے ٹی ایچ ایم کی ڈگری حاصل کی اور جنیوا کالج سے ڈی ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ اپنی بیوی روتھ اور پانچ بچوں کے ہمراہ جاپان میں 46 سال مشنری کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ انہوں نے اس کتاب کے علاوہ بھی کئی کتابیں لکھیں ہیں جن مکاشفہ کی کتاب کا مطالعہ شامل ہے۔ مترجم شخصی طور پر مصنف اور اُسکی خدمات کو جانتا ہے اور اُنکی خدمت کے لئے خدائے ثالوث کا بے حد شکرگزار ہے۔

کتابیات

1. Basabe, F. M. J*apanes Youth Confronts Religion*, Sophia, Tuttle, Tokyo, 1967
2. Fromm, Erich. *Man for Himself*, Routledge & Kegan Paul, Ltd., 1971.
3. Monsa, J.C., *The Evidence of God in an Expanding Universe*, G.P. Putnam;s Sons, N.Y., 1958.
4. Rehwinkel, *The Flood*, Concordia Publishing Company St. Louis, Missouri, 1951.
5. Russel, Bertrand, *The Scientific Outlook*, W.W. Norton & Company, Inc. New York, 1962.
6. Schaeffer, Francis, *The Church at the End of 20th Century*, InterVarsity Press, 1970.
7. Schaeffer, Francis, *He is There and He is not Silent,* Tyndale, March 1972.
8. Van Riessen, Hendrick, *Christain Perspectives,* Pella Pub. Co., lowa, Feb. 1960.
9. Zuidema, S.U. *Sattre,* Pres. & Ref. Pub. Co., Philadelphia, PA. 1960.